رسول اللہ ﷺ بحیثیت داعیٔ انقلاب

لیکن اس میں بھی ہرگز کوئی شک نہیں کہ ”داعیٔ انقلاب“ کا اطلاق اگر نسلِ آدم کے کسی فردِ پر بتمام وکمال ہو سکتا ہے تو وہ صرف مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ہیں! اس لیے کہ تاریخِ انسانی کے دوران اور جتنے بھی انقلاب آئے وہ بشمول انقلاب فرانس و انقلاب روس سب کے سب جُزوی تھے اور اُن سے حیاتِ انسانی کے صرف کسی ایک گوشے ہی میں تبدیلی رُونما ہوئی جیسے انقلاب فرانس سے نظامِ سیاسی اور ہیئتِ حکومت میں اور انقلاب روس سے نظامِ معیشت کے تفصیلی ڈھانچے میں جب کہ نبی اکرم ﷺ نے جو انقلاب عظیم دنیا میں برپا کیا اس سے پوری انسانی زندگی میں تبدیلی رُونما ہوئی اور عقائد و نظریات، علوم و فنون، قانون و اخلاق، تہذیب و تمدّن، معاشرت و معیشت اور سیاست و حکومت الغرض حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ بھی بدلے بغیر نہ رہا۔

رہی آپ کی انقلابی جدوجہد تو واقعہ یہ ہے کہ اس اعتبار سے بھی نسلِ انسانی کی پوری تاریخ میں کوئی دوسری مثال موجود نہیں ہے کہ کسی ایک ہی شخص نے انقلابی فکر بھی پیش کیا ہو، پھر دعوت کا آغاز بھی خود ہی کیا ہو، پھر تنظیمی مراحل بھی آپ ہی نے طے کیے ہوں اور پھر اس انقلابی جدوجہد کو کشمکش اور تصادم کے جُملہ مراحل اور ہجرت و جہاد و قتال کی تمام منازل سے گزار کر کامیابی سے ہمکنار بھی کر دیا ہو۔ اور یہ نہایت محیرُ العقول کارنامہ اور حد درجہ عظیم معجزہ ہے نبی اکرم ﷺ کا کہ آپؐ نے ایک فردِ واحد سے دعوتِ حق کا آغاز فرما کر کل 23 برس (اور وہ بھی قمری) کی مختصری مدت میں اعلاءِ کلمۃ اللہ کا حق ادا فرما دیا اور سرزمینِ عرب پر دینِ حق کو بالفعل غالب و نافذ فرما دیا۔

نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت

ڈاکٹر اسرار احمد

ڈاکٹر اسرار احمد

(آیات: 101، 102)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾﴾

”(وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (ہے) اُس کے اولاد کہاں سے ہو جب کہ اُس کی بیوی ہی نہیں۔ اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ یہی (اوصاف رکھنے والا) اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہے) تو اسی کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر چیز کا نگران ہے۔“

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو عدم محض سے وجود میں لانے والا ہے۔ اُس کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں۔ وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ خالق صرف ایک وہی ہے، باقی سب مخلوق ہیں۔ اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ مخلوقات میں سے کوئی شے ایک لمحے کے لئے بھی اُس سے اوجھل نہیں۔ یہ ہے وہ اللہ جو تمہارا رب ہے، جس کے سوا کوئی بھی بندگی کے لائق نہیں ہے۔

مشرکین مکہ اللہ کو مانتے تھے مگر اللہ کی صفات کمال، اس کی قدرت اور عظمت کا تصور اُن کے ذہن میں محدود ہو گیا تھا۔ یہاں انہیں بتایا جا رہا ہے کہ جس اللہ کو تم مانتے ہو، وہ ایسا نہیں جیسا تم نے سمجھ رکھا ہے۔ تم نے اُسے اپنے پر قیاس کیا ہے کہ تمہاری کوئی بچی ہو، وہ ضد کرے اور تم سے کوئی ایسی چیز مانگ لے جو تم دے سکتے ہو، تو تم اُسے ضرور دے دیتے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ ایسے ہی فرشتے اُس کی بچیاں ہیں، وہ اُس کے پاس سفارش کریں گی اور تم بخش دیئے جاؤ گے۔ یہ انداز فکر ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اللہ کو اپنے آپ پر قیاس نہ کرو۔ اللہ ایسا نہیں ہے کہ جس پر کوئی دباؤ ڈال سکے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں، بلکہ بے نیاز ہے۔ مخلوق کا ہر فرد اُس کا نیازمند ہے۔ اس کی عظمت اور قدرت لامحدود ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے مگر تم اس کا تصور نہیں کر پا رہے ہو۔ وہ اللہ ایسا ہے کہ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ پس تم اُسی کی بندگی اور پرستش کرو اور ہر شے کا کارساز وہی ہے۔ تمہارا بھی وہی کارساز ہے، تو تم اُس کے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ سمجھو۔

فرمان نبوی ﷺ

صرف اللہ سے مانگو

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((اِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰهَ وَ اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ)) (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم مانگوں تو اللہ سے مانگو اور جب تم مدد چاہو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔“

تشریح: سب خزانوں کا تنہا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی مخلوق میں سے کسی کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم جب کوئی چیز مانگو تو اللہ سے مانگو جس کے خزانوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جب کسی انسان کے پاس کچھ ہے ہی نہیں تو وہ دے گا کیا؟ تم اگر مصیبت میں پھنس گئے ہو اور تمہیں کسی کی مدد مطلوب ہو تو مدد کے لیے صرف اللہ کی بارگاہ میں اپنا ہاتھ پھیلاؤ۔ وہ تمہاری مدد کرے گا۔ کائنات میں اللہ کے سوا کسی اور میں یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کی مدد کر سکے مصیبتوں کو ٹال سکے، کسی کو نفع دے یا کسی کا کچھ بگاڑ سکے۔

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ رب العزت اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے: "بے شک ہم نے اپنی امانت کو پیش کیا آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو اُنہوں نے اٹھانے سے انکار کیا اور وہ اِس سے ڈر گئے اور انسان نے اِسے اٹھا لیا بے شک وہ بڑا ظالم اور نادان ہے" (الاحزاب: 72) یہ امانت ذمہ داری تھی جو عقل اور اختیار کے بدلے میں سونپی گئی۔ آسمان و زمین اور پہاڑوں نے اِس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے سے معذوری ظاہر کر دی لیکن حضرت انسان نے یہ رسک لے لیا۔ ایک بات اِس سے خود بخود اخذ ہوتی ہے، وہ یہ کہ انسان بیک وقت انتہائی خوش قسمت اور انتہائی بدقسمت ہے۔ احساس ذمہ داری کی شدت کا معاملہ ہے کہ بعد از انبیاء بزرگ ترین ہستی ابوبکر صدیقؓ زمین سے ایک تنکا اٹھاتے ہیں، آنکھیں خوف خدا سے پرنم ہیں، فرماتے ہیں: اے کاش! میں ایک تنکا ہوتا، حساب کا ڈر تو نہ ہوتا۔ یہ ذمہ داری جس عقل اور اختیار کے عوض ادا کرنے کی انسان نے حامی بھری تھی، خدا کی عطا کردہ اُس عقل اور اختیار سے انسان بر و بحر میں صحراؤں اور کوہساروں میں حاکم نظر آنے لگا۔ جنگل میں انسان گولی چلاتا ہے تو خوفناک سے خوفناک درندے منہ اٹھا کر بھاگتے ہیں۔ سمندر کی تہہ میں پڑی دولت سے وہ اپنی شان و شوکت میں اضافہ کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امانت قبول کرنے کے بعد بھی اللہ رب العزت نے اُسے تنہا نہیں چھوڑ دیا۔ یہ ذمہ داری اُسے کیسے نبھانی ہے، یہ سکھانے اور پڑھانے کے لئے مخصوص افراد کا چناؤ کیا اور اُن پر کتابیں نازل کیں اور انہیں روشن نشانیوں اور دلائل کے ساتھ بھیجا کہ وہ بنی آدم کو بتائیں کہ وہ تفویض شدہ ذمہ داری کو کیسے احسن طریقے سے نبھا سکتے ہیں۔ انہوں نے واضح دلائل کے ساتھ لوگوں کو بتا دیا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی اور کامرانی کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اگر انہوں نے یہ ذمہ داری کسی وجہ میں بھی نہ نبھائی تو انہیں کیسے دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہم نے آغاز میں عرض کیا تھا کہ انسان بیک وقت خوش قسمت اور بدقسمت ہے۔ یہ تقسیم خود بخود سمجھ آ جاتی ہے۔ وہ جو ایمان لائے اللہ پر، اُس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر، اُس کی نازل کردہ کتابوں پر، اُن فرشتوں پر جو اللہ اور انسان میں واسطے اور رابطے کا کردار ادا کرتے ہیں اور فیصلے کے دن پر اور نیک اعمال کئے، وہ ہیں انتہائی خوش قسمت کہ اللہ نے جنت میں اُن کے لئے وہ کچھ رکھا ہے جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا اور بدقسمت وہ ہیں جو رب کی عطا کردہ عقل اور اختیار سے تو دنیا میں خوب لطف اندوز ہوئے اور اُس سے بھرپور فائدہ اٹھایا لیکن ذمہ داری نبھانے سے گریز کرتے رہے بلکہ انہوں نے اِس سے منہ موڑ لیا اور اِسی دنیا میں کھو کر رہ گئے۔ یہ لوگ کائنات کی بدقسمت ترین مخلوق ہیں، اس لیے کہ جنہوں نے ذمہ داری اٹھانے سے معذوری ظاہر کی تھی وہ جنت کے نظارے حاصل نہ کر سکے تو جہنم کی آگ سے بھی محفوظ رہے جبکہ یہ بدقسمت انسان جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔

اِس نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو انسان کے حقیقی محسن انبیاء و رُسل تھے اور نبی آخر الزماںؐ انسانوں کے سب سے بڑے محسن تھے۔ آپ کو دوستوں نے ہی نہیں دشمنوں نے بھی اعلیٰ القاب سے نوازا۔ آپ کو امین اور صادق کا خطاب قریش مکہ نے دیا تھا۔ ایفائے عہد اور حُسنِ اخلاق کا جو معیار آپؐ نے قائم کیا، اُس کی گرد کو بھی کوئی نہ پا سکا۔ لیکن آپؐ کے لئے موزوں ترین خطاب محسنِ انسانیت کا ہے۔ انسان جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے اور اِس میں گرا چاہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کپڑوں سے کھینچ کر واپس لائے۔ انسان پر اِس سے بڑے احسان کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اللہ اور اُس کے پیغمبروں نے انسانوں کی صرف آخرت سے تعلق رکھا بلکہ انہوں نے اُسے دنیا میں بھی با مقصد اور باعزت زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا۔ آج مسلمان اگر ذلت و نکبت سے لبریز زندگی گزارنے پر مجبور ہے تو اِس کی صرف اور صرف وجہ یہ ہے کہ وہ محسنِ انسانیتؐ کے بتائے ہوئے راستے کو ترک کر چکا ہے۔ ہم یا سیکولرازم کی راہ اختیار کر کے دین سے لاتعلق ہو گئے یا مذہب کی ایسی (باقی صفحہ 17 پر)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — شمارہ 11
13 تا 19 مارچ 2008ء
4 تا 10 ربیع الاول 1429ھ

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور۔54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ ایشیا افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ کینیڈا آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

جاوید کے نام

(بالِ جبریل)

خودی کے ساز میں ہے عمرِ جاوداں کا سُراغ! — خودی کے سوز سے روشن ہیں اُمتوں کے چراغ!
یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود — ہزار گو نہ فروغ و ہزار گو نہ فراغ!
ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی — خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ!
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی — خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ!
ٹھہر سکا نہ کسی خانقاہ میں اقبالؔ — کہ ہے ظریف وخوش اندیشہ وشگفتہ دماغ!

یہ نظم جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، علامہ اقبال نے اپنے چھوٹے فرزندارجمند جاوید اقبال کو مخاطب کرکے تخلیق کی۔ اس میں کچھ نصیحتیں ہیں، دانش ورانہ مشورے بھی اور دُعائیں بھی ہیں۔ لیکن وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو یہ نظم محض جاوید تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کے مخاطب پوری ملت کے نوجوان ہیں۔

1۔ اِس شعر میں دو تراکیب قابلِ غور ہیں یعنی سازِ خودی اور سوزِ خودی۔ اقبال نے یہ دو لفظ ساز اور سوز اپنی تخلیقات میں بکثرت استعمال کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ لفظ کثیر المعانی ہیں۔

ساز کے معنی ہیں: ساز وسامان، ذاتی اسباب، اسلحہ، سامانِ جنگ، آلات موسیقی، مطابقت، موافقت، ہم آہنگی، ضیافت، زادِراہ، عقل وخرد سوز کے معنی ہیں: جلن، آگ، حرارت، گرمی، محبت، عشق، جوش وخروش، ولولہ، سوز وگداز، تاثیر، کیفیت، مرثیہ۔

"سوز وساز" کے معنی ہیں: عشق ومحبت کی کیفیات۔ یہاں خودی کے ساز سے مراد ہے خودی کی ایسی تربیت کہ وہ مرحبۂ کمال تک پہنچ جائے۔ فرماتے ہیں: اے جاوید، اگر تُو حیاتِ جاوداں کا آرزومند ہے تو خودی کی صحیح تربیت کر۔ اقبال کا مسلک یہ ہے کہ خودی اگر پختہ ہوجائے تو ابدی زندگی حاصل ہوجاتی ہے۔

خودی کے سوز سے وہ کیفیت مُراد ہے جو عشق کے بعد اس پر طاری ہوتی ہے۔ جب تک خودی میں عشق کا رنگ پیدا نہ ہو، کوئی فرد ترقی نہیں کرسکتا۔ اُمت افراد کے مجموعے ہی کا دوسرا نام ہے، یعنی اگر کوئی قوم ترقی کی آرزومند ہو تو لازم ہے کہ اُس کے افراد میں عشق کا جذبہ کارفرما ہو، یعنی ہر فرد، کفن بردوش میدانِ عمل میں آجائے۔

2۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد رکھتا ہے۔ یہی مقصد اُسے ارتقا کی منزل سے ہم آہنگ بھی کرتا ہے اور اطمینان قلب بھی بخشتا ہے۔ مُراد یہ ہے کہ ظاہری نمود ونمائش کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز وہ زندگی ہے جو بامقصد ہو۔ مقصد ہی فرد کو عملی جدوجہد کا حامل بناتا ہے۔ انسان خواہ کتنی ہی غربت، مفلسی یا گمنامی کی حالت میں زندگی بسر کرے، اُس کے پاس بنگلہ نہ ہو، نہ موٹر کار ہو، نہ عہدہ نہ خطاب ہو، نہ جاگیر ہو، لیکن اگر وہ اِس حقیقت کو مدنظر رکھے کہ میں صاحبِ مقصود ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے بامقصد زندگی کے لیے پیدا کیا ہے، تو یہ تصور اُسے "فروغ" بھی عطا کرسکتا ہے اور فراغ (اطمینانِ قلب) بھی۔

3۔ اے جاوید! اب ذرا ایک پرندے کوے کی جانب دیکھو کہ وہ اِدھر اُدھر منہ مار کر بڑی عیاری اور چالاکی سے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے دوسروں کا مال تو ہڑپ کرجاتا ہے، لیکن خود اپنی جدوجہد کے ذریعے کبھی بھی روزی حاصل کرنے کے قابل نہ ہوسکا۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں بلند پروازی مفقود ہے۔ یہ بھی جان لو کہ اگر کسی بلند پرواز شاہین کا بچہ کوے کی صحبت میں رہے گا تو وہ اپنی فطری صلاحیتوں سے محروم ہوکر اُس کی سی عادتیں اختیار کرلے گا۔ مراد یہ ہے کہ بُری صحبت سے گریز کرو کہ یہ انسان کے کردار کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے۔

4۔ اس وقت کیفیت یہ ہے کہ پورے معاشرے پر نظر ڈالیں تو اِس امر کا بڑی شدت کے ساتھ احساس ہوتا ہے کہ انسانوں میں غیرت وحیا کا جذبہ مفقود ہوچکا ہے۔ کسی بھی بُرائی کو قبول کرتے ہوئے اُن کو کسی طرح کی ندامت اور پشیمانی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ سو، اے بیٹے! میں اللہ سے دُعا کرتا ہوں کہ تجھ میں غیرت وحیا کا جذبہ برقرار رہے اور تیرا شباب ہمیشہ داغ دار ہونے سے بچا رہے۔

5۔ آخری شعر میں اقبال فرماتے ہیں کہ جہاں تک میری زندگی اور کردار کا تعلق ہے، اِس امر سے واضح ہوجائے گا کہ میں ایک خوش طبع اور خوش اخلاق ہونے کے سبب ان خانقاہوں کے قریب تک نہ بھٹک سکا جو تنگ ظرف، خشک مزاج پیروں کی کمین گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ نوجوانوں کو جہاں رند مشرب لوگوں کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے وہاں خانقاہوں سے احتراز بھی لازم ہے کہ ہر دو مقامات کا ماحول غیرت وحیا سے عاری ہوچکا ہے اور نوجوان نسل کے لیے زہرِ قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔

آیئے، اللہ کی جناب میں توبہ کریں

حالیہ الیکشن سے پہلے حالات جس تیزی سے ابتری کی طرف جا رہے تھے، اس سے صاف دکھائی دیتا تھا کہ شاید ہماری مہلت اب ختم ہوا چاہتی ہے۔ اب اگر اللہ نے ہمیں مہلت عطا فرمائی ہے تو ضروری ہے کہ ہم اِس سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔ اللہ کے حضور اپنے سابقہ گناہوں اور جرائم کی معافی مانگیں، ورنہ اللہ کی سخت پکڑ آ سکتی ہے۔

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید کے 7 مارچ 2008ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات! اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے ہمارے جلیل القدر نبی ﷺ کے توہین آمیز خاکے شائع کر کے، جو گھناؤنی حرکت کی گئی ہے، یہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف اُس جنگ کا حصہ ہے، جو آج کئی محاذوں پر جاری ہے۔ یہ شیطانی فعل حد درجہ قابل مذمت ہے اور مذہبی برداشت اور رواداری کے جھوٹے دعویداروں کے منہ پر بدنما دھبہ ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اِن حرکات سے وہ نبی مکرمؐ کے مقام و مرتبہ کو گھٹا نہیں سکتے۔ اِس لئے کہ اگر کوئی احمق یا پاگل شخص چاند کی طرف تھوکے تو وہ تھوک واپس اُسی پر گرے گا۔ چاند کے رُخ روشن پر کوئی فرق نہ آئے گا۔

جس کا حامی ہو خدا اُس کو مٹا سکتا ہے کون

...... البتہ کفار کی اِس جسارت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ دشمنوں کی نگاہ میں ملت اسلامیہ کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ وہ ہمیں واضح پیغام دے رہے ہیں کہ ڈیڑھ ارب ہونے کے باوجود تم ہماری نظر میں پانی پر جھاگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ تم بزدل ہو، اور ہم تمہیں جیسے چاہیں گے رسوا کریں گے۔ درحقیقت ہماری یہ زبوں حالی اِس وجہ سے ہے کہ اللہ کی نصرت اور مدد ہم سے روٹھ چکی ہے۔ اگر اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہو تو دنیا کی تمام طاقتیں مل کر بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ نبی اکرم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی تو دور کی بات ہے، ایک عام مسلمان کے ساتھ بھی کوئی زیادتی نہیں کر سکتا۔ اللہ کا فیصلہ ہے:

> "اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں۔"
> (آل عمران: 160)

آیئے! توبہ کریں

اللہ کی نصرت اور مدد نہ ہونے کی وجہ ہماری اللہ تعالیٰ کے دین سے بے وفائی ہے۔ شریعت اسلامی سے انحراف کر کے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ دنیا میں بھی ہر جگہ رسوا ہو رہے ہیں، اور اپنی عاقبت بھی برباد کر رہے ہیں۔ آیئے، اپنے مالک کے حضور گڑگڑا کر توبہ کریں، اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ اگر ہم خلوص دل کے ساتھ اللہ کی جانب متوجہ ہو جائیں تو رحمت حق ضرور ہمارے شامل حال ہو گی اور ہماری موجودہ حالت تبدیل ہو جائے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> "(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا۔ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔"
> (الزمر: 53)

سورۃ التحریم میں توبہ کی ندا لگائی گئی، فرمایا:

> "مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو۔ اُمید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دُور کر دے گا اور تم کو باغہائے بہشت میں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں داخل کرے گا۔" (التحریم: 8)

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص سچے دل سے اپنے گناہوں پر توبہ کرے، اپنا قبلہ درست کرے، اللہ کی نافرمانی اور بغاوت کی روش ترک کرے۔ یہ کام ہمارے خواص بھی کریں اور عوام بھی، کیونکہ شریعت سے انحراف کے جرم میں سبھی شریک ہیں۔

ایک غلط روش کو تبدیل کیجئے

ہماری روش یہ ہے کہ اپنی تمام خرابیوں کا الزام حکمران طبقے کو دے کر خود بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ بالعموم کہا جاتا ہے کہ چونکہ ہمارا حکمران طبقہ اسلام سے برگشتہ اور سیکولرازم کا دلدادہ ہے، اور اپنی دینی ذمہ داریاں ادا نہیں کرتا، جس کی بنا پر عوام بھی دین سے غافل ہیں۔ یہ بات ایک حد تک درست بھی ہے کہ سب سے بڑے مجرم وہی ہیں۔ انہوں نے اسلام کی درخشندہ تعلیمات اور بہترین نظریۂ زندگی کو فراموش کر کے مغرب کی پیروی کو اپنا شعار بنایا ہوا ہے، لیکن ہم عوام بھی بری الذمہ نہیں ہو سکتے، اِس لئے کہ بحیثیت مجموعی خود ہم نے بھی اللہ کی بندگی اور فرماں برداری کے راستے کو اختیار نہیں کیا۔ ہم نے بھی مغربی تہذیب کو گلے سے لگا رکھا ہے۔ اللہ سے بغاوت اور رسول اللہ کے اتباع سے سرتابی کا شیوہ اپنایا ہوا ہے۔ معیشت میں سودی لین دین، رشوت خوری، غبن اور حرام کاروبار، معاشرت میں مخلوط محفلیں، ہندوانہ رسومات، بے پردگی و آوارگی، عائلی زندگی میں اولاد کی دینی خطوط پر تعلیم و تربیت سے غفلت، لوگوں سے معاملات میں خرابی اور دینی حمیت کا فقدان، یہ وہ جرائم ہیں جو آج عوام کی زندگی میں صاف نظر آتے ہیں۔ اگر ہمارے حکمران شرعی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی بجائے دین کا حلیہ بگاڑ رہے ہیں، تو ہم نے کب دین کی پیروی، اپنے گھر اور سماج میں اُس کی اشاعت و احیاء اور ریاستی سطح پر اُس کے نظام زندگی کے بالفعل قیام کو اپنی ترجیح اول بنایا ہے۔ ہم میں کم و بیش ہر شخص قصوروار ہے۔ لہٰذا کوئی بھی دوسروں کو الزام دے کر بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال ہم میں سے ہر شخص اللہ کے حضور توبہ کرے۔ پوری قوم توبہ کرے۔

حالیہ الیکشن، مہلت میں توسیع

حالیہ الیکشن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں اصلاح احوال کے لئے مزید مہلت عطا فرمائی ہے، ورنہ اِس سے پہلے حالات جس تیزی سے ابتری کی طرف جا رہے تھے، جس طرح امریکہ ہمارے حکمرانوں کے ذریعے اپنے ایجنڈے کو بے دھڑک آگے بڑھا رہا تھا، اُس سے صاف دکھائی دیتا تھا کہ شاید ہماری مہلت اب ختم ہوا چاہتی ہے، اب اگر اللہ نے ہمیں مہلت عطا فرمائی ہے تو ضروری ہے کہ ہم اِس سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔ اللہ کے حضور اپنے سابقہ گناہوں اور جرائم کی معافی مانگیں، ورنہ اللہ کی سخت پکڑ آ سکتی ہے۔ سورہ انبیاء میں فرمایا گیا:

﴿ وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى

حِیْنٍ﴾ (آیت :111)

”اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لئے آزمائش ہو اور ایک مدت تک (تم اس سے) فائدہ (اٹھاتے رہو)۔“

توبہ کیا ہے؟

توبہ کے لفظی معنیٰ 'پلٹنا' اور 'واپس آنا' ہیں۔ فرض کریں، آپ بندگی کی صراط مستقیم پر چل رہے تھے، کہ کسی سبب سے اُس پر سے ہٹ گئے۔ پٹڑی سے آپ کا پاؤں پھسل گیا۔ لیکن آپ کو جیسے ہی احساس ہوا، فوراً اُس راستے پر لوٹ آئے، تو یہ توبہ ہے۔ بندگی کی صراط مستقیم اللہ کی کامل غلامی کا راستہ ہے۔ یعنی اللہ کے بتائے ہوئے حکموں پر چلنا، اور اُس کے نواہی سے رُک جانا، شریعت کے حلال و حرام، جائز و ناجائز کا پورا پورا خیال رکھنا۔ اِس راستے پر چلنے کا عہد ہم نے اللہ سے عالم ارواح میں کیا تھا۔ ہم نے اقرار کیا تھا کہ اے اللہ ہم تجھے ہی اپنا رب مانیں گے، تیری ہی بندگی کریں گے......لیکن دنیا میں آ کر نفس کے تقاضوں سے اور شیطان کے ورغلانے سے ہم اِس راستے سے ہٹ گئے، ہمارے قدم پھسل گئے۔ اب ہمیں دوبارہ اِس راستے کی طرف پلٹنا ہے۔ اپنے رب کو منانا ہے۔

توبہ کی بنیاد: اعتراف گناہ:

توبہ کے لئے پہلی شے اعتراف جرم ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کے دل میں اپنے غلط طرز زندگی اور گناہوں پر شدید ندامت اور پشیمانی ہو۔ یہ احساس ہو کہ اے میرے مالک میں گناہوں میں لت پت ہوں، مجھ سے تیرے احکام کی خلاف ورزی ہوگئی ہے، میری کتاب زندگی کا ہر ہر صفحہ تیری نافرمانی سے بھرا ہوا ہے، اے گناہوں کے معاف کرنے والے، تو مجھے معاف فرما دے۔ میں آئندہ گناہوں اور تیری نافرمانی سے بچوں گا، تو میری خطاؤں سے درگزر فرمادے، مجھ سے راضی ہوجا کہ تیری رضا مجھے ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ احساس اور ندامت اصلاح احوال کی بنیاد ہے۔ اگر ہم میں اپنے گناہوں پر ندامت ہی پیدا نہیں ہوتی، ہم اپنے گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتے تو اصلاح کا دور دور تک کوئی امکان نہیں۔

گناہوں پر ندامت انسانیت کی علامت ہے۔ اِس کے برعکس گناہ کرتے رہنا، اُس پر اڑے رہنا اور اُسے گناہ نہ سمجھنا شیطنت ہے۔ آدم و ابلیس کا قصہ اِس کی مثال ہے۔ دیکھیں، حضرت آدمؑ سے خطا ہوئی کہ انہوں نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا۔ مگر اُس پر وہ نادم ہوگئے۔ اُن میں شدید پشیمانی کے جذبات پیدا ہوئے۔ چنانچہ اللہ کی جناب میں عرض کیا: ”اے ہمارے رب! (ممنوعہ درخت کا پھل کھا کر) ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم بڑا خسارہ پانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔“ (الاعراف:23) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اِس کے برعکس روش عزازیل (شیطان) کی ہے۔ وہ جنوں میں سے تھا، اور بہت عبادت گزار تھا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ اُسے حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کر، تو اُس نے حکم الٰہی سے سرتابی کی اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ بہت بڑی نافرمانی اور جرم تھا، لیکن اپنے اِس جرم پر شیطان نادم و پشیمان نہ ہوا، بلکہ اُس نے استکبار کی روش اپنائی، اپنے گناہ کی وکالت کرنے لگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُسے راندۂ درگاہ کر دیا۔ وہ ملعون قرار پایا، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رحمت الٰہی سے محروم ہوگیا۔

توبہ کا مقام، اللہ کی نگاہ میں

اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں توبہ کا بہت اونچا مقام ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو آدمی گناہوں سے توبہ کرتا ہے، اُس کے گناہ دھل جاتے ہیں اور وہ ایسے ہو جاتا ہے کہ گویا اُس نے گناہ کئے ہی نہیں۔ قرآن حکیم میں تو یہاں تک خوشخبری سنائی گئی ہے کہ اللہ توبہ کرنے والے کے گناہوں کو مٹا کر اُن کو حسنات میں بدل دے گا۔ اور حسنات میں بدلنے کا مفہوم علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکیوں کی توفیق مرحمت فرمادے گا۔ سورۃ الفرقان میں ارشاد ہوا۔

”مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔“ (آیت:70)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کی توبہ کی کیا اہمیت ہے، اِس کا اندازہ اُس روایت سے ہوتا ہے، جو حضرت ایوب انصاری سے مروی ہے۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ میں نے ایک بات رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی اور تم سے اب تک چھپائی تھی (اب جبکہ میرا آخری وقت ہے وہ میں تم کو بتاتا ہوں اور وہ امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں) میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپؐ فرماتے تھے: اگر بالفرض تم سب (ملائکہ کی طرح) بے گناہ ہو جاؤ اور تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو، تو اللہ اور مخلوق پیدا کرے گا جن سے گناہ بھی سرزد ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمائے گا (اور اس طرح اس کی شانِ غفاریت کا ظہور ہوگا۔) (صحیح مسلم) اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ گناہ مطلوب ہیں اور وہ گناہ گاروں کو پسند فرماتا ہے، بڑی جاہلانہ غلط فہمی ہوگی۔ دراصل حدیث کا منشاء اور مدعا اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت کو ظاہر کرنا ہے۔ ایک موقع پر نبی اکرم نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کی توبہ سے اس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو (اثنائے سفر میں) کسی ایسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اتر گیا ہو جو سامان حیات سے خالی اور اسباب ہلاکت سے بھرپور ہو اور اس کے ساتھ بس اس کی سواری کی اونٹنی ہو، اُسی پر اُس کے کھانے پینے کا سامان ہو، پھر وہ (آرام لینے کے لئے) سر رکھ کے لیٹ جائے، پھر اسے نیند آ جائے، پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی (پورے سامان سمیت) غائب ہے، پھر وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس وغیرہ کی شدت سے جب اس کی جان پر بن آئے تو وہ سوچنے لگے کہ (میرے لئے اب یہی بہتر ہے) کہ میں اُسی جگہ جا کر پڑ جاؤں (جہاں سویا تھا) یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے، پھر وہ (اسی ارادہ سے وہاں آ کر) اپنے بازو پر سر رکھ کے مرنے کے لئے لیٹ جائے، پھر اس کی آنکھ کھلے تو وہ دیکھے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہے اور اس پر کھانے پینے کا پورا سامان (جوں کا توں محفوظ) ہے۔ تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہوگا، خدا کی قسم مؤمن بندے کے توبہ کرنے سے خدا اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ (متفق علیہ)

توبہ اور انسانی نفسیات

توبہ کا دروازہ کھلا رہنا، ایک طرف اللہ کی خصوصی رحمت کا مظہر ہے، تو دوسری جانب نفسیات انسانی کے حوالے سے بھی اس کی خاص اہمیت ہے۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ فرض کریں، ایک شخص گناہ کرتا چلا جاتا ہے، لیکن زندگی کے کسی موڑ پر اُس کا ضمیر جاگ جاتا ہے اور اپنے گناہوں پر اُس کے دل میں شدید ندامت پیدا ہوتی ہے، اور گناہوں کی تلافی کرنا چاہتا ہے، مگر معاً اُسے خیال آتا ہے کہ اب معافی تلافی کی کوئی صورت نہیں، تو کیا ہوگا؟ وہ شدید مایوس ہو جائے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ گناہوں کی دلدل میں اور بھی دھنستا چلا جائے گا، اور اُس کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔ اِس بات کو نبی اکرم ﷺ نے ایک واقعہ سے واضح کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلے امت میں ایک آدمی تھا جس نے اللہ کے ننانوے بندے قتل کئے تھے۔ (ایک وقت اس کے دل میں ندامت اور اپنے انجام اور آخرت کی فکر پیدا ہوئی) تو اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس علاقہ میں سب سے بڑے عالم کون ہیں (تا کہ اُن سے جا کر پوچھے کہ میری بخشش کی کیا صورت ہو سکتی ہے)۔ لوگوں نے اس کو ایک راہب (کسی بزرگ درویش) کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ وہ اُن کے پاس گیا اور اُن سے عرض کیا کہ میں (ایسا بدبخت ہوں) جس نے ننانوے خون کئے ہیں، تو کیا ایسے آدمی کی بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ (اور وہ بخشا جا سکتا ہے؟) اس راہب بزرگ نے کہا: بالکل نہیں: تو ننانوے آدمیوں کے اس قاتل نے اس بزرگ راہب کو بھی قتل کر ڈالا اور سو کی گنتی پوری کر دی (لیکن پھر اس کے دل میں وہی خلش اور فکر پیدا

ہوئی) اور پھر اس نے کچھ لوگوں سے کسی بہت بڑے عالم کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے اس کو کسی بزرگ عالم کا پتہ بتا دیا۔ وہ ان کے پاس پہنچا اور کہا: میں نے سو خون کئے ہیں تو کیا ایسے مجرم کی توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے (اور وہ بخشا جا سکتا ہے؟) انہوں نے کہا: ہاں ہاں! (ایسے کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے) اور کون ہے جو اس کے اور توبہ کے درمیان حائل ہو سکے۔ (یعنی کسی مخلوق میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اس کی توبہ کو قبول ہونے سے روک دے۔ پھر انہوں نے کہا) (میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ) فلاں بستی میں چلا جا' وہاں اللہ کے عبادت گزار کچھ بندے رہتے ہیں تو بھی (وہیں جا پڑ اور) ان کے ساتھ عبادت میں لگ جا (اس بستی پر اللہ کی رحمت برستی ہے) اور پھر وہاں سے کبھی اپنی بستی میں نہ آ' وہ بڑی خراب بستی ہے۔ چنانچہ وہ اس دوسری بستی کی طرف چل پڑا۔ یہاں تک کہ جب آدھا راستہ اس نے طے کر لیا تو اچانک اس کو موت آ گئی۔ اب اس کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں نزاع ہوا۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ توبہ کر کے آیا ہے' اور اس نے صدقِ دل سے اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیا ہے (اس لئے یہ رحمت کا مستحق ہو چکا ہے)۔ اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے کبھی بھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہے (اور یہ سو خون کر کے آیا ہے' اس لئے یہ سخت عذاب کا مستحق ہے)۔ اس وقت ایک فرشتہ (اللہ کے حکم سے) آدمی کی شکل میں آیا۔ فرشتوں کے دونوں گروہوں نے اس کو حکم مان لیا۔ اس نے فیصلہ دیا کہ دونوں بستیوں تک کے فاصلہ کی پیمائش کر لی جائے (یعنی شر و فساد اور اللہ کے عذاب والی بستی جس سے وہ چلا تھا اور اللہ کے عبادت گزار بندوں والی اور قابلِ رحمت بستی جس کی طرف وہ جا رہا تھا)' پھر جس بستی سے وہ نسبتاً قریب ہو اس کو اسی کا مان لیا جائے۔ چنانچہ پیمائش کی گئی تو وہ نسبتاً اس بستی سے قریب پایا گیا جس کے ارادہ سے وہ چلا تھا' تو رحمت کے فرشتوں نے اس کو اپنے حساب میں لے لیا۔ (متفق علیہ)

کن لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے؟

اگر ایک شخص سے گناہ کا صدور ہو جائے، مگر اس کے فوراً بعد اس میں احساس بیدار ہو جائے کہ مجھ سے گناہ ہو گیا ہے، مجھ سے بہت بڑی خطا ہو گئی ہے، اور ندامت اور پشیمانی کیفیت میں اللہ کی جانب رجوع کرے، اس سے مغفرت طلب کرے، سچی توبہ کرے تو ایسے شخص کی توبہ کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ واجب کر لیا ہے۔ اس کی توبہ اللہ ضرور قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

"اللہ انہیں لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھتے ہیں' پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں پر اللہ مہربانی کرتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔" (النساء:17)

یعنی اگر آدمی غفلت یا نادانی میں یا جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی غلط کام کر بیٹھے، لیکن فوراً بعد اُسے گناہ کا احساس ہو جائے اور وہ سچی توبہ کر لے، یعنی گناہ کو ترک کرنے اور آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا تہیہ کر کے اللہ سے معافی مانگے، اِس بات کا انتظار نہ کرے کہ کل توبہ کروں گا، یا ابھی دورِ جوانی ہے، عیش و نشاط کا زمانہ ہے، بڑھاپے میں اللہ کی جانب رجوع کر لوں گا۔ نہیں، بلکہ اُسی وقت توبہ نصوح کرے تو اُس کی توبہ ضرور شرفِ قبولیت پاتی ہے۔ یہ شخص اُس سائیکل سوار کی طرح ہے کہ اگر اُسے کہیں سڑک پر حادثہ پیش آ جائے، سائیکل سے گر جائے، اس کے کپڑے آلودہ ہو جائیں، اُس کو کوئی زخم لگ جائے، تو اُس وقت وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اُس کے کپڑے گندے ہو گئے ہیں، یا اُسے کوئی زخم لگا ہے، بلکہ وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور اُس کے بعد زخم یا کپڑوں پر اُس کی نظر جاتی ہے۔ ایک نیک آدمی کا یہی حال ہوتا ہے۔ اُس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، تو وہ فوراً نادم و پشیمان ہو کر اُس پر سچی توبہ کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ کل توبہ کروں گا یا پھر بڑھاپے میں کر لوں گا۔ اِس لئے کہ وہ اِس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ چراغِ زندگی کسی بھی لمحے گل ہو سکتا ہے۔ کیا خبر حیاتِ مستعار اُسے بڑھاپے تک مہلت دیتی بھی ہے یا نہیں اور اگر بڑھاپے کو پہنچ بھی گیا تو اِس بات کی کیا ضمانت کہ مرنے سے پہلے وہ توبہ کر لے گا۔ ممکن ہے کہ اُس کی موت کسی حادثے کے نتیجے میں آ جائے، یا وہ کسی اور ناگہانی موت کا سامنا کر لے۔ چنانچہ وہ توبہ کرنے میں بالکل تاخیر نہیں کرتا۔

جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی

وہ کون سے لوگ ہیں کہ جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اُن کے تذکرہ میں فرمایا:

"اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) بُرے کام کرتے رہے، یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کی موت آ موجود ہو تو اس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ اُن کی (توبہ قبول ہوتی ہے) جو کفر کی حالت میں مریں۔ ایسے لوگوں کے لئے ہم نے عذابِ الیم تیار کر رکھا ہے۔" (النساء:18)

توبہ کا دروازہ موت کے وقت تک کھلا ہے، اللہ تعالیٰ نے پوری زندگی انسان کو مہلت عطا کر رکھی ہے۔ وہ جب بھی معصیت اور نافرمانی کو ترک کر کے سچی توبہ کر کے اور بندگی کی صراطِ مستقیم پر لوٹ آئے، تو اُسے معاف فرما دیتا ہے، مگر اُس انسان کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو پوری زندگی بغاوت اور سرکشی میں گزار دے، لیکن جب موت کا وقت آئے، آثار شروع ہو جائیں اور اُس وقت توبہ کر لے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ کی کیفیت شروع نہ ہو۔"

موت کے وقت تو فرعون نے بھی توبہ کی تھی، مگر مسترد کر دی گئی۔ چنانچہ سورۂ یونس میں فرمایا:

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو فرعون اور اُس کے لشکر نے سرکشی اور تعدی سے اُن کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ جب اس کو غرق (کے عذاب) نے آ پکڑا تو کہنے لگا میں ایمان لایا کہ جس (اللہ) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ (جواب ملا کہ) اب (ایمان لاتا ہے) حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا۔ تو آج ہم تیرے بدن کو (دریا سے) نکال لیں گے تاکہ تُو پچھلوں کے لئے عبرت ہو۔ اور بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔"

(آیات: 90 تا 92)

سورۃ المنافقون کے آخر میں بتایا گیا کہ ایسے لوگوں کو موت کے وقت شدید ندامت اور پشیمانی ہو گی، مگر اُس وقت کی شرمندگی اُن کے کسی کام نہ آئے گی۔ فرمایا:

"مومنو! تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔ اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسارا اٹھانے والے ہیں۔ اور جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے، اُس میں سے اُس (وقت) سے پیشتر خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے تو (اُس وقت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار تُو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا۔ اور جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو اللہ اُس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے خبردار ہے۔" (آیت: 9 تا 11)

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پوری قوم قومِ یونس کی سی توبہ کرے۔ اگر ایسا ہو جائے تو اللہ کی رحمت ضرور ہمارے شاملِ حال ہو گی، اور مختلف نوع کے چھوٹے چھوٹے جن عذابوں میں ہم گرفتار ہیں، اُن سے ہمیں نجات ملے گی، اور ذلت و رسوائی سے چھٹکارا حاصل ہو گا۔ اللہ کے دین کا علم بلند کر کے ہم اقوامِ عالم میں ایک باوقار قوم کی حیثیت سے اُبھریں گے۔ اللہ کی بندگی اور کامل اطاعت اور ہر گوشۂ زندگی میں اُس کے نبی ﷺ کے اتباع سے ہم دنیا میں بھی سرخرو ہوں گے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آخرت کی دائمی زندگی میں، جو ہمارا اصل مستقل ہے، فوز و فلاح سے ہمکنار ہوں گے، اور خسارے سے بچ جائیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے، اور شاہراہ بندگی پر چلنے کی ہمت دے۔ آمین۔

(تلخیص: محبوب الحق عاجز)

سیرت کا پیغام

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

حضور ﷺ کا پیغام تمام انسانوں کے لیے ہے

اولین چیز جو ہمیں آپ ﷺ کی دعوت میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ رنگ و نسل اور زبان و وطن کے سارے امتیازات کو نظر انداز کر کے انسان کو بحیثیت انسان مخاطب کرتے ہیں اور چند اصول پیش کرتے ہیں جو تمام انسانوں کی بھلائی کے لیے ہیں۔ ان اصولوں کو جو بھی مان لے وہ مسلمان ہے اور ایک عالم گیر امتِ مسلمہ کا فرد ہے۔ خواہ وہ کالا ہو یا گورا، مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا، عربی ہو یا عجمی۔ جہاں بھی کوئی انسان ہے جس ملک یا قوم یا نسل میں بھی وہ پیدا ہوا ہے، جو زبان بھی وہ بولتا ہے اور جو رنگ بھی اس کی کھال کا ہے، وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا مخاطب ہے۔ اور اگر وہ آپؐ کے پیش کردہ اُصولوں کو مان لیتا ہے تو بالکل مساوی حقوق کے ساتھ امتِ مسلمہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ کوئی چھوت چھات، کوئی اونچ نیچ، کوئی نسلی یا طبقاتی امتیاز، کوئی لسانی یا قومی یا جغرافیائی افتراق، جو عقیدے کی وحدت قائم ہو جانے کے بعد ایک انسان کو دوسرے انسان سے جدا کرتا ہو، اس امت میں نہیں ہے۔

رنگ و نسل کے تعصبات کا بہترین علاج

آپ غور کریں تو محسوس کریں گے کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جو محمد عربی ﷺ کی بدولت انسانیت کو میسر آئی ہے۔ انسان کو سب سے بڑھ کر جس چیز نے تباہ کیا وہ یہی امتیازات ہیں جو انسان اور انسان کے درمیان قائم کیے گئے ہیں۔ اس کو نجس قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ اچھوت ہے۔ اس کے وہ حقوق نہیں ہیں جو برہمن کے حقوق ہیں۔ کہیں اس کو فنا کر دینے کے قابل قرار دیا گیا، کیوں کہ وہ آسٹریلیا اور امریکہ میں ایسے وقت پیدا ہو گیا تھا جب باہر سے آنے والوں کو اس سے زمین خالی کرانے کی ضرورت تھی۔ کہیں اس کو پکڑ کر غلام بنایا گیا اور اس سے جانوروں کی طرح خدمت لی گئی، کیوں کہ وہ افریقہ میں پیدا ہوا تھا اور اس کا رنگ کالا تھا۔ غرض نوعِ انسانی کے لیے قوم، وطن، نسل، رنگ اور زبان کے یہ امتیازات قدیم ترین زمانے سے لے کر موجودہ زمانے تک بہت بڑی مصیبت کا ذریعہ بنے رہے ہیں۔ اسی بنیاد پر لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ اسی بنیاد پر ایک ملک دوسرے ملک پر چڑھ دوڑا ہے۔ ایک قوم نے دوسری قوم کو لوٹا ہے، اور پوری پوری نسلیں تباہ و برباد کر دی گئی ہیں۔ نبی ﷺ نے اس مرض کا ایسا علاج فرمایا کہ دشمنانِ اسلام بھی مان گئے ہیں کہ رنگ و نسل اور وطن کے امتیازات کو جس کامیابی سے اسلام نے حل کیا ہے ایسی کامیابی کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

امریکہ کے افریقی النسل باشندوں کا مشہور لیڈر میلکم اکس، جو ایک زمانے میں گوری نسل کے خلاف کالی نسل کے شدید ترین تعصبات کا علم بردار تھا، اسلام قبول کر کے جب حج کے لیے گیا اور اس نے دیکھا مشرق، مغرب، شمال، جنوب، ہر طرف سے ہر نسل کے لوگ، ہر رنگ کے لوگ، ہر وطن کے لوگ، ہر زبان بولنے والے لوگ چلے آ رہے ہیں سب نے ایک جیسا احرام کا لباس پہن رکھا ہے۔ سب ایک ہی زبان میں لبیک لبیک نعرے لگا رہے ہیں۔ ایک ساتھ طواف کر رہے ہیں۔ اور ایک جماعت میں ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں تو وہ پکار اٹھا کہ رنگ و نسل کے مسئلے کا صحیح حل یہی ہے۔ نہ کہ وہ جو ہم اب تک کرتے رہے ہیں اس مرحوم کو تو ظالموں نے قتل کر دیا، مگر اس کی خود نوشت سوانح عمری شائع شدہ موجود ہے۔ اس میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ حج سے کیسا گہرا اثر اس نے قبول کیا تھا۔

یہ حج تو اسلام کی عبادات میں سے صرف ایک عبادت ہے۔ اگر کوئی شخص آنکھیں کھول کر اسلام کی تعلیمات کو بحیثیت مجموعی دیکھے تو کسی جگہ بھی انگلی رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیز کسی خاص قوم یا کسی قبیلے یا کسی نسل یا طبقے کے مفاد کے لیے ہے۔ یہ تو پورے کا پورا دین ہی اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہے اور ان کی نگاہ میں وہ سب انسان یکساں ہیں جو اس کے اصول قبول کر کے اس کی بنائی ہوئی عالم گیر برادری میں شامل ہو جائیں۔ بلکہ یہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی وہ سلوک نہیں کرتا جو گوروں نے کالوں کے ساتھ کیا، جو سامراجی قوتوں نے اپنی محکوم قوموں کے ساتھ کیا، جو کمیونسٹ حکومتوں نے اپنے دائرہ اقتدار میں رہنے والے غیر کمیونسٹوں کے ساتھ حتیٰ کہ خود اپنی پارٹی کے غیر مرغوب ارکان کے ساتھ کیا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ انسان کی فلاح کے لیے وہ کیا اصول ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے پیش فرمائے ہیں اور ان میں کیا بات ایسی ہے جو نہ صرف فلاحِ انسانیت کی ضامن ہے بلکہ تمام انسانوں کو ایک وحدت کی لڑی میں پرو کر ایک امت بھی بنا سکتی ہے۔

اللہ کی وحدانیت کا وسیع ترین تصور

ان سب سے مقدم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا ہے۔ صرف اس معنی میں نہیں کہ اللہ ہے اور محض اس معنی میں بھی نہیں کہ اللہ بس ایک ہے، بلکہ اس معنی میں کہ اس کائنات کا واحد خالق، مالک، مدبر اور حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی دوسری ہستی پوری کائنات میں ایسی نہیں ہے جس کے پاس حاکمیت کا اقتدار ہو، جس کو حکم دینے اور منع کرنے کا حق ہو، جس کے حرام کرنے سے کوئی چیز حرام جس کے حلال کرنے سے کوئی چیز حلال ہو سکتی ہو۔ یہ اختیارات اس کے سوا کوئی نہیں رکھتا، کیوں کہ جو خالق اور مالک ہے اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنے بندوں کو اپنی پیدا کردہ دنیا میں جس چیز کی چاہے اجازت دے اور جس سے چاہے منع کر دے۔ اسلام کی دعوت یہ ہے کہ اللہ کو اس حیثیت سے مانو۔ اس کو اس حیثیت سے مانو کہ ہم اس کے سوا کسی کے بندے نہیں ہیں اور اس کے قانون کے خلاف کسی کو ہم پر حکم چلانے کا حق نہیں ہے۔ اس حیثیت سے مانو کہ ہمارا سر اس کے سوا کسی کے سامنے جھکنے کے لیے نہیں بنا ہے۔ اس حیثیت سے مانو کہ ہماری تقدیر بنانے اور بگاڑنے والا صرف وہی ہے۔ اس حیثیت سے مانو کہ ہمارا جینا اور مرنا بالکل اس کے اختیار میں ہے۔ جس وقت چاہے ہمیں موت دے سکتا ہے اور جس وقت تک چاہے ہمیں زندہ رکھ سکتا ہے۔ اس کی طرف سے موت آئے تو دنیا کی کوئی طاقت بچانے والی نہیں اور وہ زندگی عطا کرے تو دنیا کی کوئی طاقت ہلاک کر دینے والی نہیں۔ یہ ہے اسلام کا تصورِ خدا۔

اس تصور کے مطابق زمین سے لے کر آسمانوں تک ساری کائنات خدا کی تابع فرمان ہے۔ اور انسان جو اس کائنات میں رہتا ہے، اس کا بھی یہی کام ہے کہ خدا ہی کا تابع فرمان بن کر رہے۔ اگر وہ خود مختار بنے یا خدا کے سوا کسی اور کی اطاعت اختیار کرے تو اس کی زندگی کا نظام پورے نظامِ کائنات کے خلاف ہو جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں اس بات کو یوں سمجھیے کہ ساری کائنات خدا کے حکم کے تحت چل رہی ہے۔ یہ ایک امرِ واقعی ہے جسے کوئی بدل نہیں کر سکتا۔ اب اگر ہم خدا کے سوا کسی اور کے حکم کے تحت چل رہے ہوں یا اپنی

مرضی کے مختار بن کر جدھر جی چاہے چل رہے ہوں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہماری زندگی کی گاڑی پوری کائنات کی گاڑی کے خلاف سمت میں چل رہی ہے۔ ایک مستقل تصادم ہے جو ہمارے اور نظامِ کائنات کے درمیان ہو رہا ہے۔

ایک اور پہلو سے دیکھئے۔ اس تصور کے مطابق انسان کے لئے صحیح طریقۂ حیات صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے کیوں کہ وہ مخلوق ہے اور اللہ اس کا خالق ہے۔ مخلوق ہونے کی حیثیت سے اس کا خود مختار بن جانا بھی غلط ہے اور اپنے خالق کے سوا دوسروں کی بندگی کرنا بھی غلط۔ ان دونوں راستوں میں سے جو راستہ بھی وہ اختیار کرے گا وہ حقیقت سے متصادم ہوگا اور حقیقت ٹکرانے کا نقصان خود ٹکرانے والے کو ہی پہنچتا ہے۔ حقیقت کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔

بندگیٔ رب کی دعوت:

رسول اللہ ﷺ کی دعوت یہ ہے کہ اس تصادم کو ختم کرو۔ تمہاری زندگی کا قانون اور ضابطہ بھی وہی ہونا چاہیے جو پوری کائنات کا ہے۔ تم نہ خود قانون ساز بنو اور نہ کسی دوسرے کا یہ حق تسلیم کرو کہ خدا کی زمین میں خدا کے بندوں پر اپنا قانون چلائے۔ قانونِ برحق صرف خداوند عالم کا قانون ہے۔ باقی سب قوانین باطل ہیں۔

اطاعت رسول ﷺ کی دعوت:

یہاں پہنچ کر ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا دوسرا نکتہ آتا ہے۔ اور وہ آپ کا یہ دو ٹوک بیان ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں اور نوعِ انسانی کے لیے اس نے اپنا قانون میرے ذریعہ سے بھیجا ہے۔ میں خود بھی اسی قانون کا پابند ہوں، خود مجھے بھی اس میں تبدیلی کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ میں اتباع کرنے پر مامور ہوں۔ اپنی طرف سے کوئی نئی چیز اختراع کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ یہ قرآن، وہ قانون ہے جو مجھ پر خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اور میری سنت وہ قانون ہے جو خدا کے حکم و ارشاد کی بنا پر میں جاری کرتا ہوں۔ اس قانون کے آگے سرِ اطاعت جھکا دینے والا سب سے پہلے میں ہوں (انا اول المسلمین)۔ اس کے بعد تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ ہر دوسرے قانون کی پیروی چھوڑ کر اس قانون کی پیروی کریں۔

اللہ کے بعد اطاعت کے مستحق اللہ کے رسول ہیں

کسی کو یہ شبہ لاحق نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ خود اپنی سنت کی اطاعت و پیروی کیسے کر سکتے تھے جبکہ وہ آپ کا اپنا ہی قول یا فعل ہوتا تھا؟ اس سلسلے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن جس طرح خدا کی طرف سے تھا اسی طرح رسول ہونے کی حیثیت سے جو حکم آپؐ دیتے یا جس کام سے آپؐ منع فرماتے یا جس طریقے کو آپؐ مقرر کرتے تھے، وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہوتا تھا۔ اسی کا نام سنت رسول ﷺ ہے اور اسی کی پیروی لازم تھی۔ یہ بات ایسے مواقع پر پوری طرح واضح ہو جاتی تھی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی معاملے میں آپؐ سے پوچھتے تھے کہ یا رسول اللہ! کیا آپؐ یہ اللہ کے حکم سے فرما رہے ہیں یا یہ آپؐ کی اپنی رائے ہے؟ اور آپؐ جواب دیتے تھے کہ اللہ کا حکم نہیں ہے بلکہ میری رائے ہے۔ ایسے مواقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی رائے سے اختلاف کر کے اپنی تجویز پیش کرتے تھے، اور آپؐ اپنی رائے چھوڑ کر ان کی تجویز قبول فرما لیتے تھے۔ اسی طرح یہ بات ان مواقع پر بھی کھل جاتی تھی جب آپؐ کسی معاملے میں صحابہؓ سے مشورہ طلب فرماتے تھے۔ یہ مشاورت خود اس امر کی دلیل ہوتی تھی کہ اس معاملے میں خدا کی طرف سے کوئی حکم نہیں آیا ہے۔ کیونکہ خدا کا حکم ہوتا تو اس میں مشاورت کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ ایسے مواقع رسول اکرم ﷺ کے عہد میں بار بار پیش آئے ہیں جن کی تفصیلات احادیث میں ہم کو ملتی ہیں۔ بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تو یہ بیان ہے کہ ہم نے حضور ﷺ سے زیادہ مشاورت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ اس پر آپ غور کریں تو آپ کو محسوس ہوتا کہ یہ بھی حضور ﷺ کی سنت ہی تھی کہ جس معاملہ میں اللہ کا حکم نہ ہو اس میں مشورہ کیا جائے اور کوئی دوسرا حاکم تو درکنار، اللہ کا رسول تک اپنی ذاتی رائے کو لوگوں کے لیے فرمانِ واجب الاذعان نہ قرار دے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو شوریٰ کے طریقے سے کام کرنے کی تربیت دی۔ اور لوگوں کو یہ سکھایا کہ جس معاملہ میں حکمِ الٰہی ہو اس میں بے چون و چرا اطاعت کرو اور جہاں حکمِ الٰہی نہ ہو وہاں آزادیٔ اظہار کا حق بے خوف و خطر استعمال کرو۔

رہبانیت کے بجائے دنیاداری میں اخلاق کا استعمال

رسول اللہ ﷺ کی دعوت ایک اور اہم سبق ہمیں دیتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اخلاق راہبوں کے گوشۂ عزلت کے لیے نہیں ہے، درویشوں کی خانقاہوں کے لیے نہیں ہے، بلکہ دنیا کی زندگی کے ہر شعبے میں برتنے کے لیے ہے۔ جس روحانی اور اخلاقی بلندی کو دنیا فقیروں اور درویشوں میں تلاش کرتی ہے، رسول اللہ ﷺ اسے حکومت کی مسند پر اور عدالت کی کرسی پر اٹھا لائے۔ آپؐ نے تجارت کے کاروبار میں خدا ترسی اور دیانت سے کام لینا سکھایا۔ آپؐ نے پولیس اور فوج کے سپاہیوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کا سبق دیا۔ آپؐ نے انسان کی اس غلط فہمی کو دور کیا کہ خدا کا ولی وہ ہوتا ہے جو تارک الدنیا ہو کر بس اللہ اللہ کرتا رہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ولایت اس کا نام نہیں ہے بلکہ اصل ولایت یہ ہے کہ آدمی ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک تھانیدار، ایک تاجر و صنعت کار اور دوسری تمام حیثیتوں سے ایک پورا دنیادار بن کر بھی ہر اس موقع پر اپنا خدا ترس اور دیانت دار ہونا ثابت کر دے جہاں اس کے ایمان کو آزمائش سے سابقہ پیش آئے۔ اس طرح آپؐ اخلاق کو رہبانیت کے گوشوں سے نکال کر معیشت و معاشرت، سیاست و عدالت اور صلح و جنگ کے میدانوں میں لے آئے اور یہاں پاکیزہ اخلاق کی حکمرانی قائم کی۔

حضور ﷺ کی ہدایت کا فیض

یہ اسی رہنمائی کا فیض تھا کہ اپنی نبوت کے آغاز میں جن لوگوں کو آپؐ نے ڈاکو پایا تھا، جن لوگوں کو حق مارنے والا پایا تھا، انہیں حق ادا کرنے والا، حقوق کی حفاظت کرنے والا اور حقوق دلوانے والا بنا کر چھوڑا۔ آپؐ سے پہلے دنیا ان حاکموں سے واقف تھی جو ظلم و جور سے رعیت کو دبا کر رکھتے تھے، اور اونچے اونچے محلوں میں رہ کر اپنی خدائی کا سکہ جماتے تھے۔ آپؐ نے اس دنیا کو ایسے حاکموں سے روشناس کرایا جو بازاروں میں عام انسانوں کی طرح چلتے تھے، اور عدل و انصاف سے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ آپؐ سے پہلے دنیا ان فوجوں سے واقف تھی جو کسی ملک میں گھستی تھیں تو ہر طرف قتلِ عام برپا کرتی، بستیوں کو آگ لگاتی، اور مفتوح قوم کی عورتوں کو بے آبرو کرتی پھرتی تھیں۔ آپؐ نے اسی دنیا کو ایسی فوجوں سے متعارف کرایا جو کسی شہر میں فاتحانہ داخل ہوتیں تو دشمن کی فوج کے سوا کسی پر دست درازی نہ کرتی تھیں اور فتح کیے ہوئے شہر سے اگر پسپا ہوتیں تو اہلِ شہر سے وصول کیے ہوئے ٹیکس تک انہیں واپس کر دیتی تھیں۔ انسانی تاریخ ملکوں اور شہروں کی فتح کے قصوں سے بھری پڑی ہے، مگر فتح مکہ کی کوئی نظیر آپ کو تاریخ میں نہ ملے گی۔ جس شہر کے لوگوں نے تیرہ برس تک رسول اللہ ﷺ پر ظلم و ستم ڈھایا تھا اسی شہر میں آپؐ کا فاتحانہ داخلہ اس شان سے ہوا تھا کہ آپؐ کا سر خدا کے آگے جھکا جا رہا تھا۔ آپؐ کی پیشانی اونٹ کے کجاوے سے لگی جا رہی تھی۔ اور آپؐ کے طرزِ عمل میں غرور و تکبر کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہی لوگ جو تیرہ برس تک آپؐ پر ظلم و ستم کرتے رہے تھے۔ جنہوں نے آپؐ کو ہجرت پر مجبور کر دیا تھا اور جو ہجرت کے بعد بھی آٹھ برس تک آپؐ سے برسرِ جنگ رہے تھے، جب مغلوب ہو کر آپؐ کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے رحم و کرم کی التجا کی اور آپؐ نے انتقام لینے کے بجائے فرمایا کہ: **لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء** ”آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم چھوڑ دیے گئے“۔

رسول اللہ ﷺ کے اس نمونے کا جو اثر آپؐ کی اُمت پر آپڑا ہے اس کا اگر کوئی شخص اندازہ کرنا چاہے تو تاریخ میں خود دیکھ لے کہ مسلمان جب اسپین میں داخل ہوئے تو ان کا رویہ کیا تھا۔ اور جب عیسائیوں نے ان پر فتح پائی تو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ صلیبی لڑائیوں کے زمانے میں جب عیسائی بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور مسلمانوں نے جب بیت المقدس کو ان سے واپس لیا تو عیسائیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا تھا۔

انتہا پسندی، ذمہ دار کون؟

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ
بانی تنظیم اسلامی

کیا پاکستانی معاشرہ انتہا پسندی (Extremisim) کا شکار ہے اور اگر ایسا ہے تو اس صورتِ حال کا ذمہ دار کون ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس کا سامنا آج پوری قوم کو ہے۔ حکومتی حلقوں کا خیال ہے کہ انتہا پسندی کی اس فضا کا ذمہ دار مذہبی طبقہ ہے جبکہ دوسری جانب مذہبی حلقے انتہا پسندی کا ذمہ دار حکمرانوں اور ان کی امریکہ نواز پالیسیوں کو قرار دیتے ہیں۔ اس گھمبیر صورتِ حال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ صحیح صحیح تجزیہ کیا جائے اور اس نتیجے پر پہنچا جائے کہ موجودہ انتہا پسندانہ فضا کا حقیقی ذمہ دار کون ہے۔

وطنِ عزیز پاکستان کی 60 سالہ سیاسی تاریخ کے بارے میں معمولی شد بد رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ ہمارے ہاں اقتدار کی دیوی کی اسیر باد ہمیشہ جاگیرداروں، وڈیروں اور فوجی جرنیلوں کو حاصل رہی ہے۔ جنرل ایوب خان، صدر ضیاء الحق اور صدر پرویز کا عرصہ اقتدار ہی ہماری سیاسی تاریخ کا آدھے سے زیادہ ہے۔ باقی عرصہ میں ذوالفقار علی بھٹو، بے نظیر بھٹو اور نواز شریف سمیت کئی سیاستدان حکمران رہے اور یہ وہ لوگ تھے جو جدید تعلیم یافتہ اور جاگیردار اور سرمایہ دار تھے۔ اس پورے عرصے میں علماء کرام اور مذہبی جماعتوں کو کبھی بھی اقتدار نصیب نہیں ہوا۔ ہماری تاریخ کے سب سے بڑے سانحے ''سقوطِ مشرقی پاکستان'' ہی کو لے لیجیے اور غور کیجیے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس سانحے کے سب سے بڑے ذمہ دار اقتدار کے رسیا فوجی جرنیل ہیں جنھوں نے اپنے شوقِ اقتدار کی خاطر ایسے انتہا پسندانہ اقدامات کئے جنھوں نے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے رہنے والوں کے دلوں میں نفرتوں کے بیج بوئے۔ اُس وقت بھی عوامی رائے عامہ کی درگت بنائی گئی۔ عدلیہ کے وقار کو نقصان پہنچایا گیا۔ ملکی سیاست کو بے دستور رکھا گیا۔ انتظامیہ کو شطرنج کے مہروں کی طرح استعمال کیا گیا۔ نتیجہ پوری قوم کے سامنے ہے کہ ایوب خان اور یحییٰ خان اپنے شوقِ اقتدار کو تو پورا کر گئے مگر ملک آدھا ہو گیا۔

اس کے بعد قوم کا لسانیت اور علاقائیت کے لعنتوں سے مستقل واسطہ پڑ گیا اور اس سارے عمل میں سیاستدان بھی جرنیلوں کے پشت پناہ رہے۔ مگر اس عرصے میں ہونے والی انتہا پسندی میں مذہبی طبقے کا رول معدوم کے درجے میں ہے۔ سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد ملک عوامی دور میں داخل ہوا۔ ملک کو پہلی مرتبہ متفقہ آئین نصیب ہوا۔ اور آئین کی تیاری کے مراحل میں مذہبی طبقے نے پورا تعاون کیا۔ ملک کے ایٹمی قوت بننے کے سفر کا آغاز ہوا اور طویل مارشل لائی دور کے بعد قوم نے آزاد فضا میں سانس لی۔ مگر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو جہاں عوامی لیڈر تھے وہیں ان کا پس منظر جاگیردارانہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے عوامی دور کے دوران بھی جاگیردارانہ کھال سے باہر نہ نکل سکے۔ اور بعض ایسے اقدامات کئے جو انہیں وراثت میں ملے تھے۔ یعنی وہ پہلے عوامی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنے۔ اپنے ہی بنائے ہوئے متفقہ آئین میں ترامیم کیں۔ سیاسی مخالفین کو رگیدا گیا۔ اپوزیشن نے اُن کے اِن اقدامات کے خلاف آواز بلند کی تو حکومتی انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا گیا۔ چنانچہ عوامی جلسوں پر گولیاں برسائی گئیں۔ اپوزیشن کے جلسوں میں سانپ چھوڑے گئے اور اپوزیشن رہنماؤں کے ساتھ بدترین ریاستی دہشت گردی کا مظاہرہ ہوا۔ اس مرتبہ بھی انتہا پسندی کا ارتکاب سیکولر سیاستدانوں کی جانب سے ہوا جبکہ مذہبی جماعتیں اور ان کے ورکر جمہوری انداز میں احتجاجی سیاست کر رہے تھے۔

> **مشرف حکومت کے انتہا پسندانہ اقدامات کا نتیجہ ہے کہ ملک میں بم دھماکوں اور خودکش حملوں کو فروغ حاصل ہوا۔ کیونکہ جب عوام کو عدل وانصاف کی توقع نہیں ہوگی تو وہ اپنے اوپر ہونے والی ناانصافیوں کے فیصلے خود کریں گے**

سیکولر سیاستدانوں کی اس انتہا پسندی سے فائدہ اُٹھا کر ''امیر المؤمنین'' کا جذبہ دل میں لے کر ضیاء الحق مسندِ اقتدار پر قابض ہو گئے اور اس بدترین مارشلائی دور میں ملک میں علاقائیت اور مذہبی بنیادوں پر انتہا پسندی کو فروغ ملا اور اس سارے عمل میں پہلی مرتبہ بعض نادان اور جذباتی مذہبی عناصر حکمرانوں کے آلہ کار بنے۔ اسی دور میں سندھ میں لسانی اور قومی سیاست کو فروغ حاصل ہوا اور پہلی مرتبہ بم دھماکوں کا پروان چڑھا جس میں مذہبی عناصر کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ سیاسی کارکنوں کو ٹکٹکیوں سے باندھا گیا۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا کر بدترین انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا گیا۔

بھٹو حکومت کے خلاف فوجی آپریشن کے بعد 12 اکتوبر 1999ء کو دوسری بڑی عوامی حکومت کے خلاف ایک اور جرنیل نے انتہا پسندانہ اقدام کیا اور ''کمانڈو آپریشن'' کے نتیجے میں صدر پرویز مشرف نے زمامِ اقتدار سنبھال لی اور قوم کے لیے ''نجات دہندہ'' بننے کی ''نوید'' سنائی۔ اس دور میں ریاستی انتہا پسندی اپنی انتہا کو پہنچ ہوئی ہے۔ اس دور کی سب سے بڑی انتہا پسندی یہ ہے کہ پوری قوم کو امریکہ کی غلامی میں دے دیا گیا۔ پھر دوسرا انتہا پسندانہ اقدام یہ ہوا کہ افغانستان کی محکم اور مسلم پالیسی پر یوٹرن لے لیا گیا۔ افغانی سفیر کو اسلام آباد میں گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کیا گیا۔ امریکی فضائیہ کو افغانستان کے خلاف اڈے مہیا کیے گئے۔ تیسرا انتہا پسندانہ اقدام یہ کیا گیا کہ کشمیر پالیسی کو بھلا دیا گیا اور امریکی خواہش پر بھارت کی خوشنودی کے لیے اس قدر لچک کا مظاہرہ کیا گیا کہ اس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ کشمیر پالیسی بھی گئی اور بھارت بھی راضی نہ ہو سکا۔ افغان اور کشمیر پالیسیوں پر عوام کو اعتماد میں لیے بغیر جو اقدام کیے گئے اُس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے کہ جن مجاہدین کو کل تک حکومت خود سپورٹ کرتی رہی بعد میں وہ امریکی اور بھارتی فوجیوں کی بربریت کا شکار بنے اور بن رہے ہیں اور بہت

سوں کو ہم نے خود ہی ختم کر ڈالا۔ لہٰذا مجاہدین کے ان طبقات کی جانب سے ردِ عمل ہوا بھی ہے تو یہ حکومتی عمل کا نتیجہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تیسرا حکومتی انتہا پسندانہ اقدام یہ ہے کہ حکومت نے خود اپنے ایٹمی اثاثوں کو پوری دنیا میں مذاق بنا کر رکھ دیا۔ اپنے اقتدار کے لیے پہلے واویلا کیا کہ ہمیں ہٹا دیا گیا تو ایٹمی اثاثے انتہا پسندوں کے ہاتھ لگ جائیں گے۔ آج یہی حکومتی واویلا مغرب کی زبان بن چکا ہے اور رہی سہی کسر ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ہیرو سے زیرو بنا کر پوری کر دی اور یہ الزام اپنے سر لے لیا کہ دنیا میں ایٹمی پھیلاؤ کا مرکز پاکستان ہے۔ اس کے بعد حکومتی انتہا پسندی کا ایک اور مظہر سامنے آیا جب بلوچستان کے پہاڑوں میں فوجی آپریشن شروع کیا گیا اور پھر وہ دن اور آج کا دن حکمرانوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ وانا، باجوڑ، وزیرستان اور سوات کو لہو سے رنگنے کا عمل پوری شدت سے شروع ہے۔ عدلیہ نے حکومت کے انتہا پسندانہ اقدامات کے خلاف آواز اُٹھائی تو عدلیہ کو بھی رسوا کر کے رکھ دیا گیا۔ میڈیا کو سبق سکھایا گیا۔ وکلاء کو بدترین پولیس تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ حکومتی انتہا پسندی کی ایک اور واضح مثال لال مسجد کا سانحہ بھی تھا۔ مسجدوں کی شہادت کے خلاف کھڑے ہونے والے معصوم اور بے گناہ طلبہ اور طالبات کو دہشت گرد قرار دے کر فاسفورس بموں سے بھسم کر کے رکھ دیا اور تمام ثبوت انتہائی منظم انداز میں مٹا دیے گئے۔ سینکڑوں بے گناہ افراد کو بغیر کسی جرم اور تفتیش کے ''غائب'' کر دیا گیا۔ حکومت کے ان اقدامات کا نتیجہ ہے کہ بم دھماکوں اور خودکش حملوں کو فروغ حاصل ہوا۔ کیونکہ جب عوام کو عدل وانصاف کی توقع نہیں ہوگی تو وہ اپنے اوپر ہونے والی ناانصافیوں کے فیصلے خود کریں گے۔

امریکی حکومت نے دوبارہ 7 ارب روپے کی امداد کا اعلان کیا ہے اور یہ رقم فرنٹیئر کانسٹیبلری پر خرچ کی جائے گی۔ گویا یہ اجرت ہے شمالی علاقوں میں بے گناہوں کو مارنے کی اور اس سے پہلے 10 ارب ڈالرز کی امداد ہم بے گناہوں کو گوانتاناموبے کے حوالے کرنے کی وصول کر چکے ہیں۔ لہٰذا یکطرفہ طور پر مذہبی طبقات کو انتہا پسندی کا ذمہ دار قرار دینا صحیح طرزِ عمل نہیں ہے اور ویسے بھی تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔

تنظیم اسلامی کا قیام
نظام خلافت کا قیام

یاد رفتگاں

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

محمد سمیع

زین العابدین صاحب کے سانحۂ ارتحال پر کسی شاعر کا یہ شعر فوری طور پر ذہن پر منعکس ہوگیا:

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی ۔۔۔ ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

یہ ان دنوں کی بات ہے جب بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا کراچی کے ریکس آڈیٹوریم میں درس قرآن ہوا کرتا تھا۔ ایک موقع پر اسی ہال میں ایک پروگرام ہو رہا تھا۔ اعلان کیا گیا کہ اب انجمن خدام القرآن سندھ کے صدر زین العابدین صاحب خطاب فرمائیں گے۔ میں نے دیکھا کہ ایک صاحب تھری پیس سوٹ میں ملبوس اسٹیج پر تشریف لائے۔ میں حیران تھا کہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس یہ صاحب انجمن خدام القرآن سندھ کے صدر ہیں؟ بہر حال انھوں نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ یہ میرا زین العابدین جواد صاحب سے پہلا تعارف تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ زین صاحب جن کا گارمنٹ کا کاروبار ہے، تنظیم اسلامی کے رفیق بھی ہیں۔ ان کو مختلف پروگراموں میں دیکھا۔ ان کی شخصیت سے کافی متاثر ہوا۔ واقعی ان کی شخصیت بڑی باغ و بہار قسم کی تھی۔ بہت ہی زندہ دل، خوش اخلاق اور مسحور کن مختصر یہ کہ پرنس ٹائپ شخصیت۔ ان سے جیسے جیسے قربت بڑھتی گئی، ان کے محاسن سامنے آتے گئے۔ کافی وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ شعروشاعری سے بہت زیادہ شغف تھا۔ فیض، جگر اور جوش کے کلام موقع کی مناسبت سے لہک لہک کر سنایا کرتے تھے۔ میں حیران تھا کہ ایک کاروباری شخصیت میں یہ شوق کیسے پیدا ہوگیا۔ کاروباری حضرات تو بالعموم ننانوے کے پھیر میں رہتے ہیں اور ان کی مصروفیتیں انھیں اس کی اجازت کہاں دیتی ہیں کہ مطالعہ کے لئے وقت نکال سکیں۔ میں نے ان سے ایک مرتبہ سوال کیا کہ زین صاحب آپ اس قدر مصروف شخصیت ہیں۔ اپنے اس شوق کی تکمیل کے لئے کیسے وقت فارغ کر لیتے ہیں۔ کہنے لگے، میاں شوق کی راہ میں کوئی شے حائل نہیں ہوا کرتی۔ جب موقع ملتا ہے، مطالعہ کے لئے وقت نکال لیتا ہوں۔ مثلاً اکثر کاروباری سلسلے میں غیر ممالک کا سفر درپیش ہوتا ہے تو میرے بریف کیس میں کتابیں موجود ہوتی ہیں۔ سفر کے دوران یہ شوق پورا کر لیتا ہوں۔ "اپنی ذات میں انجمن" کے محاورے کو اگر عملی شکل میں دیکھنا ہو تو زین صاحب کو دیکھا جا سکتا تھا۔ آپ ہر محفل کی جان ہوتے، بلکہ سب میں اپنے انداز گفتگو مسکراہٹوں اور قہقہوں سے مرکز کشش بنے رہتے۔ پھر ایسا ہوا کہ اس باغ و بہار شخصیت کو ظالم کینسر نے آن لیا۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ اللہ کے فضل اور اپنی مضبوط قوت ارادی کی بناء پر انھوں نے اس موذی بیماری کو اپنے حواس پر طاری نہ ہونے دیا۔ نہ ان کی مسکراہٹوں میں کوئی کمی ہوئی۔ نہ شعروشاعری سے انکے شغف میں کوئی فرق پڑا۔ یہ شعر تو وہ اکثر سنایا کرتے تھے۔

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا ۔۔۔ تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

قرآن سے ان کے شغف کا یہ حال تھا کہ 1986ء میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جنھیں وہ اپنا مرشد کہا کرتے تھے، کے دورہ ترجمہ قرآن سے اس قدر متاثر ہوئے کہ زندگی کا رخ ہی بدل گیا۔ پھر وہ وقت آیا کہ انھوں نے خود بھی دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کی اور عملی زندگی میں اپنے بڑے کاروبار کو سود سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ترک کر دیا اور ایک چھوٹے سے کاروبار پر قناعت کر لی۔ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے ایک بار ان کا انٹرویو کیا جو ''ندائے خلافت'' کے 2005ء کے شمارہ نمبر 12 میں شائع بھی ہوا۔ آج وہ ہم میں نہیں ہیں تو مجھے انگریزی کی وہ ضرب المثل یاد آ رہی ہے کہ He came, he conquered and he left

آخر میں اس انٹرویو میں انھوں نے تنظیم اسلامی کے رفقاء کو جو پیغام دیا تھا، وہ نقل کیے دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اس پیغام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

''رفقاء سے میری یہی گزارش ہے کہ اس کام میں لگے رہیں، جتے رہیں اپنی آخری سانس تک۔ نتائج کی پروانہ کریں۔ نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر ہم اپنے حصے کا کام کر دیں تو ان شاء اللہ نتائج بھی ضرور نکلیں گے۔''

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

جناب صدر!

ڈنمارک کے سفیر کو کیوں نہیں نکالتے

ڈاکٹر عامر لیاقت حسین

اگر یہ سچ ہے کہ آپ سید ہیں، اگر یہ سچ ہے کہ آپ سادات ستاروں میں سے ایک چمکتے ستارے ہیں، اگر یہ سچ ہے کہ آپ کا شجرۂ نسب، نورانی شاخوں سے سفر کرتا ہوا ختمی مرتبت سید الانبیا حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس پر جا کر ختم ہوتا ہے تو اللہ جل مجدہٗ کے واسطے! اپنی نسبت کی لاج رکھ لیجیے...... کرسی صدارت رہے یا نہ رہے، آیت الکرسی والے کے محبوب کی شان میں اہانت کے مرتکب ملک سے ہمارے سبز ہلالی پرچم کا تعلق ختم کر دیجیے اور اپنے نانا کریم ﷺ سے محبت کا یہ فرض ادا کیجیے!...... مغرب کے پیچھے بھاگتے بھاگتے غروب ہونے سے کہیں بہتر ہے کہ صرف ایک بار افقِ ایمان پر عقیدت کی بھرپور کرنوں کے ساتھ طلوع ہو جائیں!...... آج آپ میں موجود ”میم“ آپ سے ”مردِ حق“ ہونے کی سچائی مانگ رہا ہے اور محمد ﷺ کی محبت میں یہ ”میم“ اگر مرد سے نہ جڑا تو خدا کی قسم آپ یہاں تو ”رد“ ہیں ہی وہاں بھی ”رد“ ہو جائیں گے!...... یہ ”میم“ اگر آپ کے حاکم ہونے کی گواہی ہے تو یہ بھی یاد رکھیے کہ میم سے محمد ﷺ کی توہین پر مصلحتاً خاموشی میم کے حاکم اور میم سے حکومت کی تباہی ہے! ہر احسان مند اولاد کی طرح یقیناً آپ کو بھی اپنی ماں سے بہت پیار ہوگا، ذرا غور کیجیے تو اس ماں میں بھی ”میم“ ہے۔ اس کی ممتا کا مطلب بھی محمد ﷺ ہی نے تو بتلایا ہے، تو پھر اپنے نام میں اِس ”میم“ کے ہونے کا ہی کچھ حق ادا کیجیے، میرے پاس تو استعفیٰ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، لہٰذا میں نے تو یوں اپنے نام میں موجود ”میم“ کی آبرو رکھ لی، پر آپ تو بڑے چارہ گر، بااثر اور باخبر ہیں، دنیا آپ کی بڑی سنتی ہے، بدترینوں سے بہترین تعلقات ہیں، بدطینتوں سے کچھ کھلے، کچھ چھپے پُراسرار معاملات ہیں، تاہم مجھ جیسے ”جذباتی پاکستانیوں“ کو ایسی تمام باتوں سے کوئی سروکار نہیں، ہم آپ کی مجبوریاں سمجھتے ہیں اور اگر آپ سید نہ ہوتے تو رب کی عزت کی قسم! آپ سے ایسی کوئی امید بھی نہ باندھتے...... ہم تو اِس گھرانۂ نور کے نوکر اور حجرۂ مصطفیٰ کی ڈیوڑھی کو اپنی زبان سے چاٹ کر صاف کرنے والے غلام ہیں! اِس لیے بڑے ادب سے ایک سید سے ملتمس ہیں، انتہائی عاجزی سے ایک نواسے سے ملتجی ہیں کہ اے محترم سیدزادے! ہم نوکروں سے آقا کی شان میں گستاخی برداشت نہیں ہو رہی، کلیجہ پھٹا جا رہا ہے، لہو عشق کا لاوا بن کر عقیدے کے آتش فشاں سے ابل پڑنے کو بے تاب ہے...... ہم تو اُن کے سبب مشرف بہ اسلام ہونے کا احسان بھی چکانے سے قاصر ہیں اور آپ اُن سے پشت در پشت مشرف ہو کر بھی پشت کیے بیٹھے ہیں!...... گناہِ کبیرہ کے مرتکب ملک کا منحوس سفیر ہماری پاک سرزمین پر اٹھلاتا اور اتراتا پھر رہا ہے اور ہمارا اپنا سفیر اُس ناپاک ملک میں آدابِ ایمان گنوا کر آدابِ سفارت کاری نبھا رہا ہے...... آخر کیوں؟

آٹھ برس کی صدارت کیا اتنی مہنگی ہے کہ اُس کے بدلے آخرت کا سودا کر لیا جائے؟ جن کے سبب سے ہمارا نسب ہے اُن کی شان میں گستاخی کے تازیانے سہہ کر اپنی ہی کفِ خاک کو کہیں اِس حد تک داغ دار نہ کرلیں کہ روزِ محشر ماؤں کے نام سے پکارے جانے والوں کی فہرست میں ہمارا نام ہی نہ ہو...... تف ہے اِس پر کہ ہم کس پستی میں جی رہے ہیں، اللہ سے بگاڑنے والوں کو حکومت بنانے کی اور مسجد اجاڑنے والوں کو اقتدار سے چمٹے رہنے کی فکر تو ہے، مگر آخرت کی نہیں! عالم نزع میں بھی ”اقتدار والے“ کہلانا چاہتے ہیں، مگر لطفِ رضا میں ”اختیار والے“ کے حکم پر سر تسلیم خم کرنے پر آمادہ نہیں، کل ڈنمارک میں گستاخی ہوئی، کبھی ملعون رشدی کج قلمی کا مظاہرہ کرتا ہے، آج جرمنی نے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کو ”اظہار رائے کی آزادی“ قرار دے دیا اور شاید آنے والے کل میں ڈنمارک کا ایک رکن پارلیمنٹ قرآن کے خلاف بنائی جانے والی فلم (نعوذ باللہ) ”فتنہ“ ریلیز بھی کر دے مگر ہمارے اراکین پارلیمنٹ حکومت سازی ہی میں ”غازی“ بنے رہیں گے......!!!

> **ڈنمارک کا منحوس سفیر ہماری پاک سرزمین پر اٹھلاتا اور اتراتا پھر رہا ہے اور ہمارا اپنا سفیر اُس ناپاک ملک میں آدابِ ایمان گنوا کر آدابِ سفارت کاری نبھا رہا ہے...... آخر کیوں؟**

ہم بے بس عشاق کو ”سید حاکم“ سے تو اب کوئی امید نہیں اور نہ ہی آنے والوں سے کچھ اچھی توقع ہے، بس جس کا محبوب ہے، اُسی پروردگار کی بارگاہ میں التجا ہے کہ اے ہر اول سے پہلے اول اور ہر آخر کے بعد آخر! تو نے اپنے پیارے سے وعدہ کیا ہے کہ حبیب جو تیرا نہیں وہ میرا نہیں، ایسوں پر آپ لعنت نہ کیجیے کیونکہ اُن پر تو آپ کے رب کی لعنت ہے اور سورۃ الحجر کی آیت 95 سے یہی آواز تو آرہی ہے کہ (ترجمہ) ”جو لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں اُن سے نمٹنے کے لیے ہم کافی ہیں“ اور اے قادر مطلق! تیرا یہ گناہ گار، خطا کار اور سیاہ کار بندہ جانتا ہے کہ جب ولید بن مغیرہ نے تیرے حبیب کا نام ”محمدؐ“ کے بجائے (معاذ اللہ) ”مذمم“ لیا تو تجھے اِس قدر جلال آیا کہ تو نے سورۃ القلم کی آیات 10 سے 16 تک اُسے 9 برے الفاظ سے مخاطب کیا اور 9 جواب دے کر بھی جب تیرا جی نہ بھرا تو میرے مولیٰ تو نے اسے ”نطفہ حرام“ قرار دے دیا، اپنے احمد کی محبت میں تیرا غضب یوں کلام کرنے لگا کہ (ترجمہ) ”آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا انتہائی ذلیل ہے ہo (جو) طعنہ زن، عیب جو (ہے اور) لوگوں میں فساد انگیزی کے لیے چغل خوری کرتا پھرتا ہے o (جو) بھلائی کے کام سے بہت روکنے والا بخیل، حد سے بڑھنے والا سرکش (اور) سخت گناہ گار ہے o (جو) بدمزاج دُرشت خو ہے، مزید براں بداصل (بھی) ہے o اِس لیے (اِس کی بات کو اہمیت نہ دیں) کہ وہ مال دار اور صاحب اولاد ہے۔ جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جائیں (تو) کہتا ہے (یہ تو) پہلے لوگوں کے افسانے ہیں o قریب ہے کہ ہم اِس کی سور کی سی تھوتھنی پر داغ دیں گے“ o حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ”باری تعالیٰ نے جتنے ذلت آمیز القاب اِس بدبخت کو دیے آج تک کلام الٰہی میں کسی اور کے لیے استعمال نہیں ہوئے“، صرف محبوب کا نام بگاڑ کر لینے والے کی مذمت اتنی شدید فرمائی کہ اُسے ”حرام کا نطفہ“ قرار دے کر عالم الغیب نے اُس بدبخت، منکر اور دشمن اسلام کے نطفے کی حرمت کا پردہ فاش کر دیا...... تو اے بدبخت Rose Fleming اور اے ناہنجار Morgen Visen اور اے نطفہ حرام Westergardo Kert، اگر تمہاری مائیں زندہ ہیں تو اُن سے جا کر اپنے اپنے اصلی باپوں کا نام ضرور پوچھنا اور یہ بھی پوچھنا کہ اُن باپوں سے تم پاپوں تک اور کتنے نطفے تمہاری غلیظ تخلیق میں مددگار ثابت ہوئے؟...... جناب صدر! کیا اب بھی اِن حرام کے نطفوں کو تیار کرنے والی فیکٹری ڈنمارک کے سفیر کو پاکستان سے نہیں نکالیں گے۔

(بشکریہ روزنامہ ”جنگ“)

چند مشاہیر ترکی

سید قاسم محمود

[ہم ترکی سے نکل کر اس قسط سے ایران میں داخل ہونے والے تھے کہ "ندائے خلافت" کے ایک قاری نے موبائل پر فون کر کے بتایا کہ ترکی میں احیائے اسلام کے سلسلۂ مضامین کے دوران مشاہیر کے محض سرسری حوالے آئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اُن شخصیتوں کے مختصر تعارف بھی پیش کیے جائیں۔ اُن کی فرمائش سے اتفاق کرتے ہوئے اِس قسط میں، اور شاید آئندہ قسط میں بھی چیدہ چیدہ شخصیات کے مختصر سوانحی خاکے پیش کیے جائیں گے۔ یہ مشاہیر عہد وار ترتیب سے پیش ہوں گے تاکہ قارئین محترم اُن کو اصل مضامین سے منسلک کر سکیں۔ س ق م]

مدحت پاشا (1822-1885ء)

مدحت پاشا کا اصل نام احمد شفیق اور تخلص مدحت تھا۔ پہلے مشرقی علوم، عربی اور فارسی کی تحصیل کی۔ ان میں مہارت پیدا کرنے کے بعد باب عالی میں ملازمت اختیار کر لی۔ پھر مغربی افکار و نظریات کے علم بردار رشید پاشا کی حوصلہ افزائی پر فرانسیسی زبان سیکھی اور اس میں بھی کمال پیدا کیا۔ 1860ء میں صوبہ نیش کے والی اور 1864ء میں تین سال کے لیے طونہ کے والی بنائے گئے۔ اس کے ایک سال بعد استنبول میں مجلسِ شوریٰ کے صدر رہے۔ پھر بغداد کے والی (گورنر) بنے، لیکن اُس وقت کے وزیر اعظم (صدرِ اعظم) محمد ندیم پاشا سے اختلاف کرنے کی وجہ سے مدحت پاشا کو بغداد سے نقل مکانی کرنا پڑی۔ تاہم حالات نے پلٹا کھایا اور دوسرے ترک نوجوانوں کی مدد سے اُس نے سلطان کو معزول کر دیا اور اُن کی جگہ مراد پنجم کو نیا سلطان مقرر کر دیا۔ سلطان مراد صرف 93 دن ہی تختِ حکومت پر بیٹھ سکا کہ جنون کے مرض میں مبتلا ہو کر اُسے معزول ہونا پڑا۔ اس کے بعد سلطان عبدالحمید خان ثانی کو تختِ خلافت پر بٹھایا گیا۔ مدحت پاشا انگریزوں کا دل دادہ اور انگریز طرزِ حکومت اور طرزِ معاشرت کا داعی اور علم بردار تھا۔ دوسری طرف اُسے انگریزوں کی خفیہ اور عیاں تائید و حمایت بھی حاصل تھی۔

ضیا بک (1825-1880ء)

ضیا بک کا شمار اُن شعراء و ادبا میں ہوتا ہے، جن کو عثمانی تنظیمات کے دور میں نمایاں ہونے کا موقع نصیب ہوا۔ سترہ سال کی عمر میں اُس نے صدارتِ عظمیٰ سیکرٹریٹ میں کام کیا۔ ترکی اور فارسی دونوں زبانوں کا شاعر تھا۔ اپنی یورپی زندگی کے آغاز میں اُس کی شاعری کا اسلوب اور منہاج سلفی رہا۔ 1855ء میں رشید پاشا نے اُسے قصرِ سلطانی میں ملازم متعین کیا۔ رشید پاشا سے مغربی ادب کا درس لیا اور خاص طور سے فرانسیسی زبان سیکھی۔ ساڑھے سات سال تک قصرِ سلطانی میں سیکرٹری کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔ جب صدرِ اعظم عالی پاشا سے اختلاف ہُوا تو اُسے قبرص کا ناظم مقرر کر دیا گیا۔ وہ نوجوان ترکوں کی تحریک کا رُکن اور مغربی افکار کا داعی بن گیا۔ مصری امیر مصطفیٰ فاضل پاشا کی دعوت پر 1869ء میں یورپ چلا گیا۔ لندن سے اخبار "مُخبر" اور پھر "حریت" نکالے۔ نامق کمال سے تعارف ہوا۔ چنانچہ جب ادب کے میدان میں اُس کی تخلیقات نے شہرت حاصل کی تو خاص طور سے "ظفر نامہ" اور ترکیب بند کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ عالی پاشا کی وفات کے بعد ترکی واپس آیا۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان عبدالحمید کے عہد میں "قانون اساسی" کی تشکیل میں اُس نے بھی حصہ لیا تھا۔ سلطان نے اُسے وزیر کا منصب دے کر شام کا گورنر مقرر کیا۔ پھر اُطنہ کا گورنر ہوا۔ وہیں اُس کی وفات اور تدفین ہوئی۔

مُراد ابوضیا توفیق (1849-1913ء)

مُراد ابوضیا توفیق ادیب و شاعر، سلطان عبدالحمید ثانی کے خلاف تھا۔ کچھ مدت یورپ میں تعلیم حاصل کی اور فرانسیسی زبان پر عبور حاصل کر لیا۔ عثمانی سلطنت کے متعدد اہم مناصب پر فائز رہا، جیسے المدرسہ الفنیہ (ٹیکنالوجی سکول) کے ڈائریکٹر اور مجلسِ شوریٰ کے رُکن کی حیثیت سے کام کیا۔ ایک رسالہ "ابو الضیاء" جاری کیا۔ سلطان نے اُسے روڈس اور قونیہ بھیج دیا۔ 1908ء کے انقلاب کے بعد وہ استنبول واپس آیا۔ اُس کے بعد وہ شہر انطالیہ سے پارلیمنٹ کا نمائندہ منتخب ہوا۔ حکومت نے اُس کا پریس بند کر رکھا تھا۔ اب اُس نے اپنا پریس کھلوایا۔ یہاں سے اُس نے اپنے استاد نامق کمال شناسی کے اخبار "تصویرِ افکار" کا دوبارہ اجراء کیا۔ مُراد توفیق کی پوری عمر سلطان کی دی ہوئی سختیوں میں گزری۔

عبدالحق حامد (1852-1937ء)

عبدالحق حامد جدید ترکی ادب کا معمار سمجھا جاتا ہے۔ اُس نے ترکی اور فرانس میں تعلیم پائی۔ فرانسیسی، عربی اور فارسی پر عبور رکھتا تھا، بابِ عالی میں ملازمت اختیار کی۔ اُس کے والد تہران (ایران) میں سلطنتِ عثمانیہ کے سفیر تھے۔ چنانچہ والد کی معیت میں بیٹا بھی تہران چلا گیا۔ باپ کی وفات کے بعد استنبول واپس آیا۔ مختلف قسم کی حکومتی ذمہ داریاں نبھائیں۔ پیرس اور بمبئی سمیت متعدد ملکوں میں عثمانی سلطنت کے سفارت خانوں اور قونصل خانوں میں مامور رہا۔ بمبئی میں تقرر کے دوران وہیں بیوی بیمار ہوئی۔ چنانچہ اُسے لے کر وطن واپس آ رہا تھا کہ راستے میں مرض نے شدت پکڑ لی۔ دونوں بیروت میں ٹھہرنے پر مجبور ہوگئے اور وہیں بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اس ذاتی حادثے نے عبدالحق حامد کو ہلا کر رکھ دیا، جس کا اظہار اُس کی شاعری میں ہوا۔ اُس کے بعد لندن اور برسلز میں اپنے ملک کے سفارت خانوں میں کام کیا۔ 1912ء میں عثمانی سینیٹ کا رُکن مقرر ہوا۔ ترکی جمہوریہ میں 1928ء میں استنبول سے پارلیمنٹ کا نمائندہ منتخب ہوا۔ اُس کے متعدد ادبی شاہکار منظر پر آئے، جو آج تک ترکی ادب میں شہرت رکھتے ہیں۔

مُراد بک میزانجی (1853-1914ء)

مُراد بک میزانجی ترکی کا ممتاز صحافی اور مورخ، تفلیس میں پیدا ہوا۔ روس میں تعلیم حاصل کی۔ سلطان عبدالحمید ثانی کے دور میں مدرسہ ملکیہ میں تاریخ کا اُستاد مقرر ہوا۔ ترکی کے علاوہ وہ روسی اور فرانسیسی زبانوں کا شناور بھی تھا۔ سلطان کی مخالفت کرنے کی وجہ سے مصر اور پھر یورپ فرار ہو گیا، لیکن بعد میں استنبول واپس آ گیا۔ اُسے مجلس شوریٰ کا رُکن نامزد کیا گیا۔ یورپ کے قیام کے دوران اُس نے اخبار "المیزان" جاری کیا اور اسی مناسبت سے "میزانجی" مشہور ہُوا۔ استنبول واپس آنے کے بعد بھی اُس نے نئے اسلوب میں اخبار کو جاری رکھا۔ "انجمن اتحاد و ترقی" کی اُس نے مخالفت کی، اسی لیے انجمن کے

سربراہوں نے اُسے بھی 31 مارت کے قومی حادثے میں ملوث کر دیا۔ اُس پر سلطان کی تائید وحمایت کا الزام عائد کر کے اُسے جلاوطن کر دیا گیا۔ بعد میں وہ وطن واپس آ گیا اور یہیں اُس کی وفات ہوئی۔ اُس نے تاریخ عالم پر مفصل کتاب لکھی جو چھ جلدوں میں شائع ہوئی۔ اُس نے سلطنتِ عثمانیہ کی تاریخ بھی لکھی جس کے ابتدائی حصے اُس کی زندگی میں چھپ گئے تھے اور بعد کے حصے اُس کی وفات کے بعد شائع ہوئے۔

ڈاکٹر ناظم بک (1870-1926ء)

ڈاکٹر ناظم بک ''انجمن اتحاد و ترقی'' کے بانیوں میں سے تھا۔ سلونیکا میں پیدا ہوا، اس لیے ڈاکٹر سلانیکی کے نام سے مشہور ہوا۔ سلطنتِ عثمانیہ میں طب کی تعلیم حاصل کی اور اس کی تکمیل فرانس میں کی۔ پیرس میں انجمن اتحاد و ترقی کے صدر احمد رضا بک کے ساتھ تعاون کیا۔ 1907ء میں انجمن کی دعوت پر سلونیکا واپس آیا اور پیرس اور سلونیکا کی انجمن کی دونوں شاخوں کے درمیان رابطہ افسر کا کام کرتا رہا۔ اناطولیہ میں اتحاد و ترقی کے لیے پروپیگنڈا کرنے میں اُس کا خاص کردار رہا ہے۔ جب انجمن کو سلطان عبدالحمید کے خلاف کامیابی مل گئی اور مشروطیت کا اعلان کر دیا گیا تو اُس نے حکومت میں کوئی منصب قبول نہیں کیا، اسی لیے سلونیکا میں وہ سب سے بڑے اور معروف ترین ڈاکٹر کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ وہ انجمن اتحاد و ترقی کی مرکزی کمیٹی کا مستقل رُکن رہا۔ 1911ء میں انجمن کا جنرل سیکرٹری کا بنا اور 1918ء میں وزیر معارف ہُوا۔ 1936ء میں ازمیر میں مصطفیٰ کمال پاشا کے خلاف ایک سازش میں ملوث ہونے کے جرم میں اُسے پھانسی دے دی گئی۔

عصمت پاشا انونو (1880-1974ء)

عصمت پاشا انونو مصطفیٰ کمال پاشا کے دستِ راست، رفیقِ خاص اور معتمد سمرنا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد استنبول کے مدرسۂ حربیہ میں داخل ہوئے۔ وہاں سے فراغت کے بعد 1907ء میں انہیں یوزباشی یعنی کپتان کا عہدہ مل گیا۔ سلطان عبدالحمید خان ثانی کو 1909ء میں ایک فوجی دستے نے معزول کیا تو اِس یلغار میں عصمت پاشا بھی انور پاشا کے ساتھ تھے۔ 1911ء میں اٹلی کی جارحیت کے خلاف ہونے والی جنگ میں بھی عصمت پاشا نے انور پاشا کا ساتھ دیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے فوراً بعد ترکی کے مقبوضات ایک ایک کر کے عثمانی سلطنت کے ہاتھ سے نکلنے لگے اور اتحادی (یورپی) افواج نے ترکی کی صد ہا سالہ پُرانی سلطنت کا خاتمہ کرنا چاہا تو مصطفیٰ کمال نے انقرہ میں ایک متوازی حکومت قائم کر کے اتحادیوں، یونانیوں اور استنبول کی اپنی مجبور و بے بس حکومت کے خلاف جنگ شروع کی۔ اُس وقت عصمت پاشا اُن کے دستِ راست تھے۔ سقاریہ کے معرکے میں فتح کا سہرا انہی کے سر تھا۔ علاوہ ازیں قفقاز میں کاظم قرہ بکر پاشا کی روسیوں کے خلاف کامیابی اور قارص پر قبضے میں بھی اُن کا بڑا ہاتھ تھا۔ 1922ء کی مشہور لوزان کانفرنس میں انہوں نے ترکی کی نمائندگی کی۔ مصطفیٰ کمال نے جب ترکی جمہوریہ کے صدر کا عہدہ سنبھالا تو عصمت پاشا کو وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ تفویض ہوا۔ اپنے عہدِ وزارت میں انہوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے، اُن میں میثاق بلقان (یعنی بلقان کی ریاستوں سے امن کا معاہدہ) اور میثاق سعد آباد بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔ میثاق سعد آباد اپنے مشرقی ہمسایوں ایران اور عراق سے دوستی اور خیر سگالی کا معاہدہ تھا جس میں بعد ازاں افغانستان بھی شامل ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ عصمت پاشا نے آئین میں بھی بعض ضروری ترامیم مجلسِ ملی سے منظور کرائیں اور حکومت کے نظم و نسق میں کئی خوش آئند تبدیلیاں کیں۔ مصطفیٰ کمال کے بعد عصمت پاشا ترکی کے صدر منتخب ہو گئے، اور 1950ء تک اِس منصب پر فائز رہے۔ اُن کے زمانۂ صدارت میں جنگِ عظیم دوم شروع ہوئی، لیکن انہوں نے کمال تدبر سے ترکی کو غیر جانبدار رکھا۔ 1950ء سے 1960ء تک وہ حزبِ اختلاف کے رہنما رہے۔ 1960ء کے فوجی انقلاب کے بعد انہوں نے تین بار وزارتیں بنائیں، لیکن وہ اپنے وعدے پورا نہ کر سکے اور 1972ء میں اُن کی جگہ بلند ایجویت پارٹی کے صدر منتخب ہو گئے۔ 1974ء میں وفات پائی۔

عدنان مندریس (1899-1961ء)

عدنان مندریس ایک جاگیر دار کے بیٹے تھے۔ ازمیر کے امریکن کالج اور انقرہ کے فیکلٹی آف لاز میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں جدید طرز پر کاشت کاری کے لیے اپنی جائیداد فروخت کر دی۔ 1930ء میں پہلی بار قومی سیاست میں داخل ہوئے اور ملک کی واحد سیاسی جماعت ریپبلکن پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن میں پارلیمنٹ کے رُکن منتخب ہوئے۔ 1945ء میں انہیں پارٹی سے نکال دیا گیا۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے تین دوستوں کی مدد سے 1946ء میں ڈیموکریٹ پارٹی کی بنیاد رکھی۔ 1950ء میں ترکی جمہوریہ میں پہلی بار آزادانہ انتخابات ہوئے تو مندریس اور اُن کی پارٹی کامیاب ہو گئی۔ مندریس نے انتخاب جیتنے کے بعد اسلامی عناصر سے ہاتھ ملایا اور انہیں کچھ مراعات اور سہولیات فراہم کیں۔ ترکی معیشت میں نجی ملکیت اور پرائیویٹ کاروبار کی ہمت افزائی کی۔ کسانوں میں اُن کی مقبولیت میں اضافہ ہوا اور 1954ء کے الیکشن میں وہ ایک بار پھر کامیاب ہو گئے۔ اب انہوں نے مخالفین سے نمٹنا شروع کیا۔ پریس کی آزادی پر قدغن لگائی۔ صحافیوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا۔ بلدیاتی انتخابات معطل کر دیے۔ ان اقدامات سے اہلِ دانش وصحافت بلبلا اُٹھے۔ ادھر فوج بھی مضطرب ہوئی جو کمال اتاترک کے نظریات کی محافظ تھی۔ لیکن 1957ء کے عام انتخابات میں عدنان مندریس کو پھر کامیابی ہوئی۔ تاہم مخالفت بھی بڑھ گئی۔ شورش میں مزید اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ 27 مئی 1960ء کو فوج نے تختہ الٹ دیا۔ مندریس اور اُس کے سینکڑوں رفقاء کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ گیارہ مہینوں کی قانونی کارروائی کے بعد انہیں پھانسی دے دی گئی۔ (جاری ہے)

ضرورت رشتہ

☆ کراچی میں مقیم اردو سپیکنگ فیملی کو اپنی بیٹی عمر 22 سال، ایم اے انگلش فائنل ایئر کی حالیہ، امور خانہ داری میں ماہر اور دینی احکامات پر عمل پیرا کے لیے رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0344-2699685

☆ لڑکا آئی۔ ٹی انجینئر، جاب ملٹی نیشنل، عمر 28 سال، کے لئے باپردہ دیندار لیڈی ڈاکٹر یا ایم ایس سی دراز قد لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0333-4382405

☆ لاہور میں مقیم لڑکی، عمر 24 سال، تعلیم بی اے، شرعی پردے کی پابند کے لئے اہل سنت، ترجیحاً اردو سپیکنگ فیملی سے لڑکے کا رشتہ مطلوب ہے۔ والدین رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 042-5411409/5056654

دعائے مغفرت کی اپیل

- انجمن خدام القرآن سندھ کے سابق صدر اور تنظیم اسلامی کے دیرینہ رفیق زین العابدین جواد قضائے الٰہی سے وفات پا گئے
- تنظیم اسلامی حلقہ بہاولپور و بہاولنگر کی مقامی تنظیم، ہارون آباد نمبر 2 کے ناظم دعوت محمد شفیق کے پھوپھا انتقال کر گئے
- تنظیم اسلامی لاہور وسطی کے رفیق محمد امتیاز دل کا دورہ پڑنے سے وفات پا گئے۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔ قارئین اور احباب سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اللھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتک وحاسبھم حساباً یسیراً

ایک اور قرار دادِ پاکستان

ہارون الرشید

بالآخر آج ہم ایک خیرہ کن عہد کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ اگر ہم خود کو ہیجان اور مایوسی سے محفوظ رکھ سکے...... ابلیس کے کارندوں سے۔

قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ زرداری نواز شریف معاہدہ تاریخ ساز ہے۔ سماجی عدل اور جمہوری اداروں کا استحکام اب آسان تر ہوگا، لیکن اگر کسی کا خیال یہ ہے کہ کہیں سے کوئی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش نہ کی جائے گی تو وہ مغالطے کا شکار ہے۔ ایک آزاد اور بیدار پاکستانی معاشرہ، استعمار کے مفاد میں نہیں، اس خطۂ ارض میں جس کا بہت کچھ داؤ پر لگا ہے۔ تحلیل ہو جانے کے خوف سے دوچار، ریاستی جبر کے بل پر زندہ رہنے والی سیاسی طاقتیں اور استعمار کے کارندے آرام سے بیٹھ نہ رہیں گے۔ مایوسی ان کا ہتھیار ہے اور وہ جمہوری قوتوں کے اندر اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ ابھی ابھی ایک بزرجمہر کوٹی وی پر کہتے سنا کہ جو کچھ ہوا، وہ عالمی طاقتوں کی منصوبہ بندی کے عین مطابق ہے۔ عین مطابق؟ اللہ ان لوگوں پر رحم کرے، جن کی امید ہمیشہ خرابی اور بگاڑ سے وابستہ ہوتی ہے۔ چوکنا رہنا ہوگا۔ صرف سیاسی جماعتوں کو نہیں، سول سوسائٹی، وکلاء اور اخبار نویسوں کو بھی۔

> **ایک آزاد اور بیدار پاکستانی معاشرہ استعمار کے مفاد میں نہیں، اس خطۂ ارضی میں جس کا بہت کچھ داؤ پر لگا ہے**

آصف زرداری سے زیادہ نواز شریف کو داد دی جائے گی۔ وہ حق دار بھی ہیں لیکن پیچھے پلٹ کر دیکھئے تو اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا کہ پوری قوم کا اجتماعی ضمیر اس فیصلے کی پشت پر کار فرما ہے۔ 9 مارچ 2007ء کو یہ جسٹس افتخار محمد چودھری تھے، جنہوں نے جنرلوں کی موجودگی میں حرف انکار کہا اور اس شان سے کہا کہ ملک بھر کے در و بام پہ آزادی کا نعرہ جاگ اٹھا۔ حامد خاں، علی احمد کرد، منیر اے ملک، جسٹس طارق محمود اور ان کے ساتھیوں کی بیس برس پر پھیلی ہوئی جدوجہد تھی، جس نے قانون دانوں کو منظم اور متحد کر دیا تھا۔ ایسی شاندار تنظیم جس میں دراڑیں ڈالنے کی ہر کوشش ناکام رہی۔ اس ایک برس میں وکلاء نے ایسی عظیم الشان قربانیاں پیش کیں، قانون دانوں کی تاریخ جس کی کوئی نظیر پیش نہیں کرتی۔ وکلاء اپنی جدوجہد میں سرخرو نہ ہو سکتے اگر بے رنگ اور بیزار کن زندگیاں گزارتے افتادگانِ خاک بے قرار ہو کر گھروں سے باہر نہ نکل آتے۔ گرد اڑاتے راستوں پر اگر وہ ڈٹ کر کھڑے نہ رہتے اور ریاستی جبر کے سامنے جھکنے سے انکار نہ کر دیتے۔ اس تاریخ ساز ساعت کے عقب میں، ہم ان قابل احترام ججوں کو دیکھتے ہیں، عہدِ آئندہ میں جو ہمارے گھروں، یادوں اور دلوں میں جگمگاتے رہیں گے۔ جن کی کہانیاں کہی جائیں گی اور یہ کہانیاں ابدالآباد تک دہرائی جائیں گی۔ الیکٹرانک میڈیا کی تربیت سے برق رفتاری سے بیدار ہوتے ناظرین اور اخبار نویسوں کے اذہان میں ان دیکھی زنجیریں ایک ساتھ پگھلتی رہیں۔ جیسا کہ ہمیشہ عرض کرتا ہوں، اس عہد نے بعض ایسے صحافیوں کو مطلع پر ابھارا جن پر دائم رشک کیا جائے گا۔ وہ جبر کی سپاہ کے خلاف عملاً اٹھے اور بتدریج سیاسی رہنماؤں سے زیادہ معتبر ہوتے گئے، جن میں سے اکثر اقتدار کے سوا کوئی ترجیح نہ رکھتے تھے۔ مستقل مزاجی سے ایک بلند مقصد کے لئے جدوجہد کرنے والی ان سب قوتوں کا مقابلہ ریاست سے نہیں تھا۔ عوامی شوکت و شکوہ کے مقابل ریاستی زنجیریں جلد ہی پگھل جاتی ہیں۔ ان کا واسطہ ابلیس سے تھا۔ ناامیدی کی کیفیت کو عربی میں "بلس" کہا جاتا ہے۔ ابلیس کا مادہ بھی یہی ہے۔ مایوسی پھیلانے والے بدبخت، اگر گمان یہ ہے کہ وہ باز آجائیں گے تو یہ تاریخی عمل سے ناآشنائی ہے۔ ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے مگر بعض کا شیطان کے دسترخوان پر رکھ دیا جاتا ہے۔ اگلے چند دن کے اخبار اور ٹی وی ذرا غور سے دیکھتے رہیے۔ ان میں سے بعض عبا و قبا رکھتے ہیں۔ انہیں یاد کیجئے جنہوں نے کہا: ہم ججوں کی نوکریوں کے لئے کیوں سرگرم ہوں۔ صدیاں گزر گئی ہیں، جب امام غزالیؒ نے کہا تھا: راستے کے چراغ تو علماء ہیں مگر افسوس ان پر شیطان سوار ہو چکا۔ کچھ ہمارے ہم پیشہ بھی، کچھ طفیلی کیڑے جو دوسروں کے لہو پر زندہ رہتے ہیں۔

تحسین کے مستحق کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں۔ اعتزاز احسن، شہباز شریف، رضا ربانی، جاوید ہاشمی، خواجہ محمد آصف، خواجہ سعد رفیق اور چودھری نثار علی۔ مسلم لیگ ن کی موجودہ مہم کا دماغ وہی تھے۔ سیاسی حرکیات کا شہ دماغ، پاکستان کا فوجی حکمران جس سے نفرت کرتا ہے اور جسے ہرانے کی ہر ممکن تدبیر کی گئی۔

کیا جنرل پرویز مشرف ہتھیار ڈال دیں گے؟ نہیں، وہ اور نہ ان کے ساتھی، ان کی بقا عدالتی نظام کی پامالی میں ہے۔ روشنی نہیں بلکہ تاریکی انہیں سازگار ہے۔ آزاد عدلیہ طاقتور پارلیمنٹ کی ضامن ہے اور انہیں یہ ہرگز گوارا نہیں۔ آخر کار انہیں جانا ہے لیکن اس سے پہلے مقابلے اور شکست و ریخت۔

مخدوم امین فہیم کے معاملے کو اس قدر کیوں اچھالا گیا؟ کیا وہ ایک آئینی ماہر ہیں یا سیاسی حرکیات کے نابغہ؟ بدنیتی نہیں، شاید یہ ادراک سے تہی ہونے کا مسئلہ ہے کشمیر سنگھ والے قصے کی طرح۔ احمد مختار صاحب کی اس رائے سے اتفاق ممکن نہیں کہ وزارت عظمیٰ پنجاب کا حق ہے۔ وزیراعظم آصف زرداری کو بننا چاہیے۔ جس سے جواب طلبی ہوگی، اختیار بھی اسی کے پاس ہونا چاہیے۔ بعض سندھی وڈیرے یقیناً مخدوم کے ساتھ ہوں گے مگر اس سے زیادہ جناب زرداری کے ساتھ۔

> **اقوام محض آزادی کی آرزو نہیں بلکہ عدل کے ایک نمو پذیر نظام میں زندہ رہتی اور نشوونما پاتی ہیں**

تاریخی فیصلہ یہ بھی ہے کہ نون لیگ وفاقی اور پیپلز پارٹی پنجاب کابینہ میں شامل ہوگی۔ صدر مشرف سے حلف گوارا کرنے کا جو فیصلہ نون لیگ نے کیا ہے، وہ ایک قربانی ہے اور قربانی کی تحسین نہ کرنا کم ظرفی۔ آصف علی زرداری نے پیمرا آرڈیننس منسوخ کرنے کا وعدہ کیا ہے لیکن اخبار نویسوں کو خدشہ ہے کہ جمہوری حکومت بھی

آزادیٔ صحافت کی تاب نہ لاسکے گی۔ لانا ہوگی اور واحد راہ افہام وتفہیم کی ہے۔ ایک دوسرے کی دشواریوں کا ادراک۔ یہی نہیں، مقتدر جماعتوں کو سرکاری افسروں کے تقرر میں ماضی کی روش بدلنا ہوگی۔ پسند اور ناپسند نہیں بلکہ لیاقت اور خلوص کو معیار ماننا ہوگا۔

مسائل سنگین ہیں۔ زرداری نے آٹا سستا کرنے کا وعدہ کیا۔ گھی اور چینی بھی کرنی ہوگی۔ عزم پختہ ہو تو یہ ہرگز ناممکن نہیں۔ چینی کے کارخانہ داروں کی گوشمالی کرنا ہوگی جو تقریباً بارہ روپے فی کلو منافع کما رہے ہیں۔ آٹے اور گھی پر سبسڈی دینا ہوگی۔ محتاط ترین اندازے کے مطابق یہ بیس ارب روپے سے زیادہ نہ ہوگی۔ پٹرول کا معاملہ بھی اتنا پیچیدہ نہیں، جتنا بیان کیا جاتا ہے۔ 40 فیصد تیل اندرون ملک نکلتا ہے۔ سرکاری اعداد وشمار سفید جھوٹ ہیں۔ تیل کا درآمدی بل دو ارب ڈالر سے زیادہ نہیں۔ آصف زرداری اور نواز شریف اکٹھے سعودی عرب جائیں تو آسانی سے ممکن ہے۔ استعمار کے خوف سے نجات پالی جائے تو ایران بھی مددگار ہے۔ بجلی کی پیداوار کو اب پانی اور کوئلے پر منتقل کرنا ہوگا۔ تھر میں کوئلے کے لامحدود ذخائر ہیں، صدیوں تک کفایت کرنے والے۔ رکاوٹ وہی امریکہ بنے گا ورنہ چین کی مدد سے فوراً ہی آغاز کار ممکن ہے۔ ترقیاتی بجٹ کے استعمال میں بدعنوانی روک کر کم ازکم ایک سو ارب روپے سالانہ کی بچت ممکن ہے۔

پاکستانی عوام کا نوروز اب بہت دور نہیں۔ موسم بدل چکا لیکن موسم کی تبدیلی اپنے ساتھ احتیاط کے بے شمار تقاضے لے کر آتی ہے۔ تاریخ کے ایک نئے دور میں داخل ہونے کے لئے پوری قوم کو بیدار رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ الٰہ دین کا چراغ راتوں کی ویرانی کو آباد کرنے والی ایک دل فروز کہانی کے سوا کچھ نہیں۔ قوموں کے لئے معجزے کبھی نہیں ہوتے، البتہ استقامت، عزم، مثبت اندازِ فکر، اعتدال اور رواداری کے ساتھ وہ معجزوں کو بھی مات کرسکتے ہیں۔ عظیم ترین بحرانوں ہی سے عظیم ترین مواقع اور امکانات پھوٹتے ہیں۔ بالآخر اللہ کی رحمت کے طفیل ہم ایک خیرہ کن عہد کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ اگر ہم خود کو مایوسی اور ہیجان سے محفوظ رکھ سکے، اگر اتوار کے مری معاہدے پر عمل ہوسکا (اور انشاء اللہ ضرور ہوگا) تو یہ 23 مارچ 1940ء کی قرارداد سے کم اہمیت کا واقعہ نہ ہوگا۔ اقوام محض آزادی کی آرزو نہیں بلکہ عدل کے ایک نمو پذیر نظام میں زندہ رہتی اور نشوونما پاتی ہیں۔ وہ لمحہ آن پہنچا پاکستانی عوام کا نوروز اب بہت دور نہیں۔ (بشکریہ ایکسپریس)

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

روداد

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے زیر اہتمام

توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے خلاف مظاہرہ

ڈنمارک کے اخبارات نے پھر اپنے خبث باطن کا اظہار کیا ہے اور آزادی صحافت کی آڑ میں پھر توہین آمیز خاکے شائع کئے ہیں۔ نیز ان کے ابلاغ کے وزیر نے مذمت سے بھی انکار کیا ہے اور خاکوں کی اشاعت پر معذرت سے بھی انکار کیا ہے۔ اس حوالے سے پاکستان بھر میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے۔ حلقہ لاہور کے رفقاء نے 28 فروری 08ء کو بعد نماز عصر پریس کلب شملہ پہاڑی میں مظاہرہ کیا۔ رفقاء نے عصر کی نماز پریس کلب کے نزدیک مسجد میں ادا کی اور اس کے بعد ناظم مظاہرہ غازی وقاص نے شرکاء کو ہدایات دیں اور رفقاء پریس کلب شملہ پہاڑی کے باہر مین روڈ پر سڑک کے دونوں طرف بینرز اور پلے کارڈ لئے کھڑے ہوگئے۔ بینرز پر درج عبارتیں کچھ اس طرح تھیں۔

☆ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت سے اسلام کے خلاف مغرب کا خبث باطن آشکارا ہوگیا
☆ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دینے میں ناکامی پر یورپ اور امریکہ گالیاں دینے پر اتر آئے ہیں
☆ مسلمان صحافی ایسی آزادیٔ صحافت سے اعلانِ برأت کریں جس سے اسلامی شعائر کی توہین ہوتی ہو
☆ توہین رسالتؐ کے مرتکب ممالک سے سفارتی اور تجارتی تعلقات ختم کئے جائیں

نیز پلے کارڈز پر جو نعرے درج تھے وہ یہ تھے۔

☆ کارٹون کی بار بار اشاعت مسلمانوں کے خلاف منظم مہم کا حصہ ہے
☆ رحمت للعالمینؐ کے توہین آمیز خاکے چھاپنا عالمی امن سے دشمنی اور اخلاقی دیوالیہ پن کا ثبوت ہے
☆ کارٹون کی اشاعت مغرب کے غیر مہذب ہونے کا ثبوت ہے
☆ مسلم میڈیا طاغوتی جرنلزم کا میڈیا ٹرائل کرے

مظاہرے کا آغاز امیر حلقہ نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ بعد ازاں سید کلیم شاہ نے کلام اقبال سے نعتیہ اشعار پڑھ کر سنائے۔ اس کے بعد مقررین نے باری باری اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ اس مظاہرے میں امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ مقررین میں سے حبیب الرحمٰن قریشی نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ڈنمارک سے سفارتی تعلقات توڑ لئے جائیں۔ حکومت حرارت ایمانی کا مظاہرہ کرے اور اس مسئلے کو بھرپور انداز میں اٹھایا جائے تاکہ ایسے خبث باطن کا دوبارہ اظہار نہ ہو اور اس کی مؤثر ترین بات یہ ہے کہ ملک پاکستان میں نظام خلافت قائم کیا جائے تاکہ کسی کو دوبارہ ایسی گری ہوئی حرکت کرنے کی جرات نہ ہو۔ حسن ظہیر نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آنحضورﷺ کی شان تو ہے ہی نرالی اور اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ہم نے آپﷺ کا ذکر بلند کردیا ہے۔ اصل مسئلہ تو ہمارا ہے، یعنی ان لوگوں کا ہے جو خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ اغیار ہمیں بار بار ٹھوکریں مارتے ہیں کہ ان میں جان باقی ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ساتھیو! اس احتجاج کا اصل حاصل یہ ہے کہ ہم خود بدلیں اور اپنے گھروں کو بدلیں، پھر یہ کہ ملک میں نظام خلافت قائم کرنے کی کوشش کریں، ہم اسوہ رسول کی روشنی میں خود عمل پیرا ہوں۔

آخر میں امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید نے مختصر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ اسلام دشمنوں کی یہ ناپاک حرکت دراصل ہمارے جرم ضعیفی کی سزا ہے۔ اس وقت بحیثیت امت ہم ذلیل وخوار ہیں اور دنیا میں ہماری کہیں بھی وقعت نہیں ہے۔ اس کا اصل علاج یہی ہے کہ امت اللہ کے دین اور نظام زندگی کو اپنائے، بالخصوص ہم مسلمانان پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے اس ملک میں نظام مصطفیٰؐ قائم کرنے کی کوشش کریں، تاکہ اللہ ہم سے راضی ہوجائے اور اس کی رحمتیں ہمارے شامل حال ہوجائیں۔ امیر تنظیم کی اجتماعی دعا پر یہ مظاہرہ اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: محمد یونس)

بانی تنظیم اسلامی کا دورہ نوشہرہ کینٹ

9 فروری 2008ء بروز ہفتہ جامع مسجد آرمر کالونی نوشہرہ میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب ہوا۔ موضوع تھا: ''ختم نبوت اور تکمیل رسالت''۔ ڈاکٹر صاحب نے تکمیل رسالت کے حوالے سے نبوت کے اِس پہلو کو اجاگر کیا کہ جس دین کو نبی ﷺ لے کر آئے، اُس کی شہادت و اقامت اب ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ ختم نبوت کا تقاضا ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اسلام کے عالمی غلبے کے لئے جدوجہد کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے نظامِ خلافت کی برکات کے ضمن میں حضرت عمر فاروق ؓ کے دورِ خلافت کے واقعات پر بھی روشنی ڈالی اور شرکاء اور حاضرین پر واضح کیا کہ خلافت کے نظام سے ہی انسانیت کو ہمہ جہتی عدل میسر آئے گا، اور اُسے اُن دکھوں اور آلام سے نجات ملے گی جن میں وہ آج گرفتار ہے۔ آپ میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ غلبہ دین کی جدوجہد کے لئے کسی نہ کسی دینی جماعت میں شامل ہو۔ اس مقصد کے لئے جماعتوں کا مطالعہ کرے، کیونکہ یہ آپ کی اپنی ضرورت ہے۔

اس پروگرام کے تشہیر کے لئے 5 عدد بینرز پروگرام سے 3 دن پہلے مختلف جگہوں پر لگائے گئے اور 1500 ہینڈ بلز جمعہ میں مختلف مساجد میں تقسیم کئے اور 500 ہینڈ بلز ہاکرز کو اخباروں میں رکھ کر تقسیم کے لئے دیئے گئے۔ اِس کے علاوہ مختلف مساجد میں بعد نماز عصر پروگرام کے اعلانات بھی کئے گئے۔

مسجد میں سٹال بھی لگایا گیا، جس سے لوگوں نے استفادہ کیا۔ اس پروگرام میں اُسرہ نوشہرہ کے 10، اُسرہ خویشگی کے 3، پشاور کے 3 اور نوشہرہ کے 2 منفرد رفقاء نے شرکت کی، جبکہ مجموعی طور پر اِس میں تقریباً 300 کے قریب افراد شریک ہوئے۔ اِس پروگرام کی رپورٹ روزنامہ ''آج'' نے 13 فروری کو شائع کی۔ (رپورٹ: جان نثار اختر)

تنظیم اسلامی نارتھ کراچی کے زیر اہتمام تربیتی پروگرام

تنظیم اسلامی نارتھ کراچی کے زیر اہتمام رفقاء کے لئے سہ ماہی تربیتی نشست 17 فروری 2008ء بروز اتوار کو منعقد کی گئی۔ پروگرام کا آغاز صبح ساڑھے نو بجے ہوا۔ سید اسامہ علی نے تلاوت کی۔ اس کے بعد امیر مقامی تنظیم جناب عبدالعظیم نے سورۂ مریم کی آخری آیات کی روشنی میں انفرادی معاملات کو بہتر کرنے اور خود احتسابی کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ اجتماعیت کے فوائد میں سے یہ ایک اہم فائدہ ہے، کیونکہ مومن ایک دوسرے کا آئینہ ہے۔ تنظیم رضائے الٰہی کے نصب العین میں ہماری معاون ہے۔ انہوں نے موجودہ حالات کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ملک کو مٹانے کی عالمی سازش ہو رہی ہے۔ اس وقت ہونے والی قتل و غارت گری قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ایک دور ایسا آئے گا جب مرنے والے کو معلوم نہیں ہوگا کہ کیوں مارا گیا اور مارنے والے کو بھی معلوم نہیں ہوگا کہ کیوں مار رہا ہوں۔ ہمیں اس دور میں اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے قرآن سے اپنا تعلق مضبوط بنانا چاہیے اور اجتماعی و انفرادی زندگی میں اپنے معاملات کو قرآن و سنت کی تعلیمات سے مزین کرنا چاہیے۔

اس کے بعد مقامی ناظم تربیت طارق امیر پیرزادہ نے تربیتی ورکشاپ کے طریقہ سے آگاہ کرتے ہوئے تمام رفقاء کو چار گروپ میں تقسیم کر کے ایک ایک گروپ کو آرڈینیٹر کی یہ ذمہ داری لگائی کہ وہ منتخب نصاب کے درس نمبر 15 کا مطالعہ کرانے کے بعد اس پر مذاکرہ کرائیں۔ یہ مذاکرہ ڈیڑھ گھنٹے جاری رہا۔ جس کے بعد ہر گروپ کے ایک پریزینٹر نے آکر اپنے مطالعہ کا اختصار کے ساتھ خلاصہ بیان کیا۔ بعد ازاں رفقاء تنظیم نے باری باری اپنا تعارف کرایا۔ مسنون دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔ اس پروگرام میں 14 ملتزم اور 23 مبتدی رفقاء شریک ہوئے۔

(رپورٹ: عطاء الرحمٰن عارف)

تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی کے زیر اہتمام دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی کے زیر اہتمام 22 تا 25 فروری 2008ء تک توسیع دعوت کے سلسلے میں جو پروگرام ہوئے، اُن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

22 فروری

مالاکنڈ پائین میں بعد از نماز جمعہ احباب کے ساتھ خصوصی نشست ہوئی۔ جس میں محمد نعیم نے منہج انقلاب نبویؐ کے موضوع پر گفتگو کی۔ بعد از نماز مغرب دو مقامی مساجد میں فرائض دینی کے جامع تصور پر محمد نعیم اور بشیر محمد نے خطاب کیا۔

23 فروری

تالاش میں بوقت ظہر و عصر دو مساجد میں متذکرہ موضوع پر خطابات ہوئے۔

24 فروری

طورمنگ میں صبح دس بجے خصوصی نشست ہوئی۔ امیر حلقہ محمد فہیم نے خطاب کیا۔ واڑی میں یہ نشست بوقت ظہر دو بجے ہوئی۔ یہاں پر امیر حلقہ نے خطاب کیا۔ سدو کی جامع مسجد میں بوقت عشاء ممتاز بخت نے فرائض دینی کا جامع تصور بیان کیا۔

25 فروری

انور آباد کی جامع مسجد میں بوقت ظہر اور چمن آباد میں بوقت عصر ممتاز بخت نے فرائض دینی کے جامع تصور پر گفتگو کی۔

اس خصوصی ٹیم کے ساتھ امیر تنظیم تیمر گرہ شاکر اللہ مقامی ناظم تربیت (راقم الحروف) اور معتمد حلقہ شاہ وارث نے معاونت کی۔ مختلف مقامات پر تنظیمی رسائل اور لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ ہر جگہ حاضری بھرپور تھی۔ دو مقامات طورمنگ اور واڑی ضلع دیر میں حلقہ قرآنی قائم ہوئے۔ واڑی میں نئے اُسرے کی تشکیل بھی ہوئی۔ احباب کی حاضری اوسطاً 30 افراد رہی۔ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو قبول فرما کر مزید ہمت اور استقامت دے۔ (رپورٹ: احسان الودود)

بقیہ: اداریہ

جزئیات میں الجھ کر رہ گئے جن کا انسان کی دنیا و آخرت کی فلاح و کامرانی سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم نعت گوئی پر سر بہت دھنتے ہیں لیکن حضور ﷺ کی دیانت، امانت اور راست گوئی سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ہم حضور کی غریب پروری پر بہت تقریریں کرتے ہیں لیکن ہمارا معاشرہ ظلم و ستم کے حوالہ سے بے مثل ہے۔ راہ حق پر چلتے ہوئے جو مصائب حضور ﷺ نے جھیلے اُن کا تو ہم ذکر بھی کم کرتے ہیں۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ ہم ذلیل و خوار کیوں ہیں۔ ہماری دعائیں کیوں نہیں قبول ہوتیں۔ دشمنانِ اسلام ہم پر حاوی کیوں ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ آج کی ترقی یافتہ اقوام تو سرے سے مذہب کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں، پھر دنیا میں اُن کو برتری کیوں حاصل ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اہل یورپ نے اسلام کے بعض زرّیں اصولوں کو قومی سطح پر اپنایا ہے مثلاً ایمانداری بہترین پالیسی ہے۔ ایفائے عہد اعتماد سازی میں بہترین رول ادا کرتا ہے۔ حصول علم کی اہمیت کو انہوں نے سمجھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور وہ اُس کے دنیوی ثمرات سمیٹ رہے ہیں۔ البتہ بحیثیت انسان اپنی حقیقی ذمہ داری نہ نبھانے پر وہ آخرت میں بدترین عذاب کے مستحق ہوں گے۔ نبی اکرم ﷺ جو تعلیمات لے کر مبعوث ہوئے اور جس طرح انہوں نے اس پر عمل کر کے دنیا کو دکھایا، آج کا انسان اگر اس پر کسی قدر عمل کرے تو دنیا اُس کے قدموں میں ہوگی اور جنت اُس کی منتظر ہوگی۔ آپ یقیناً انسان کے عظیم ترین محسن ہیں۔ اے کاش، اے کاش اِس نوکِ قلم میں اتنا سلیقہ ہوتا کہ محسن انسانیت کے احسانوں کا ذکر کسی ڈھنگ سے کر سکتے۔ اے کاش! ہم آپ کی پیروی اور اتباع کر کے اس احسان کا بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔

ملائیشیا: حکمران جماعت کی برتری ختم

پچھلے ہفتے ملائیشیا میں پارلیمانی انتخابات ہوئے۔ انتخابات نے پارلیمان میں 1969ء سے حکمرانی کرتے آرہے سیاسی اتحاد، قومی فرنٹ (باریسان نیشنل) کی برتری ختم کردی۔ قومی فرنٹ متفرق چودہ سیاسی جماعتوں کا اتحاد ہے اور اس بار وہ 137 نشستیں ہی جیت سکا۔ دوسری طرف 1998ء میں برطرف کیے گئے نائب وزیراعظم اور اسلامی رہنما انوار ابراہیم کی جماعت پیپلز جسٹس پارٹی نے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور 31 نشستیں جیت لیں۔

حزب اختلاف کی دو اور بڑی جماعتوں کو بھی نمایاں کامیابی ملی۔ چینی رہنماؤں پر مشتمل جماعت ڈیموکریٹک ایکشن پارٹی کو 28 نشستیں ملیں، جبکہ ملائیشیا کی اسلامی جماعت نے 23 نشستیں حاصل کیں۔ یاد رہے، پچھلے پارلیمانی انتخابات میں قومی فرنٹ نے زیادہ تر نشستیں جیتی تھیں جبکہ حزب اختلاف کو صرف 20 نشستیں ملیں۔ اب حزب اختلاف کے پاس 81 قومی نشستیں ہیں اور یہ ان کی اہم کامیابی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اب ملائیشیا کی تیرہ ریاستوں میں سے چار ریاستوں میں حزب اختلاف کی حکومتیں بنیں گی۔ قیداہ اور پینانگ میں پیپلز جسٹس پارٹی اور اسلامی پارٹی مل کر ریاستی حکومتیں بنا سکتی ہیں۔ ان انتخابات نے انوار ابراہیم کو دوبارہ ملائیشیا کا قومی رہنما بنا دیا ہے۔ واضح رہے کہ پچھلے پارلیمانی انتخابات میں ان کی جماعت نے صرف ایک قومی نشست جیتی تھی۔ ریاست سیلانگور میں بھی حزب اختلاف کی حکومت بنے گی جس میں چینی وزیر ہوں گے۔ ریاست کیلانتان میں اسلامی جماعت پھر حکومت بنائے گی۔ تاہم اب اُسے زیادہ نشستیں ملی ہیں لہٰذا وہ ریاست میں مضبوط حکومت بنا سکے گی۔ پچھلے انتخابات میں اُسے صرف 6 قومی نشستیں ملی تھیں، یوں حالیہ انتخابات نے اس کی پوزیشن بھی بہت بہتر کر دی ہے۔ اسلامی جماعت کے قائدین نک عزیز اور ہاشم موسیٰ نے نمایاں کارکردگی دکھانے پر پارٹی کے تمام کارکنوں اور بہی خواہوں کو مبارک باد دی ہے۔

گو قومی حکومت اب بھی قومی فرنٹ ہی نے تشکیل دی ہے تاہم ان انتخابات نے ثابت کر دیا ہے کہ ملائی باشندوں کی بڑی تعداد اس سے خوش نہیں۔ دراصل پچھلے پانچ برس کے دوران ملائیشیا میں افراطِ زر خاصا بڑھا ہے، مہنگائی میں اضافہ ہوا ہے اور اقلیتوں میں نسلی تصادم بھی بڑھ گیا ہے۔ ان عوامل کی بنا پر عبداللہ بداوی کی حکومت غیر مقبول ہو گئی۔

نفرت کے گڑھ پر حملہ

پچھلے دنوں حماس کے مجاہدین نے یہود کے ایک تعلیمی ادارے پر حملہ کیا، تو ساری مغربی دنیا میں ہنگامہ مچ گیا اور اسرائیلیوں سے جذباتی انداز میں اظہار دوستی کیا جانے لگا۔ تعجب ہے کہ انسانی حقوق کے یہ رکھوالے اس وقت کہاں تھے جب جنونی اسرائیلی دہشت گرد فوجی غزہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو انتہائی ظالمانہ انداز میں شہید کر رہے تھے؟ اس وقت ان کے انسانی جذبات کہاں دب گئے تھے؟

اب ذرا سنیے کہ جب مجاہدین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، تو انہوں نے اپنے نوخیزوں کا بدلہ لینے کی خاطر کس تعلیمی ادارے کو نشانہ بنایا۔ یہ تھا مرکز ہارووبیشوا جہاں یہود کو تمام غیر یہودیوں خصوصاً مسلمانوں سے شدید نفرت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ یہ مدرسہ یہود کے مشہور تالمودی عالم ربی ابراہام اسحاق کک (1865ء۔1935ء) نے 1925ء میں قائم کیا تھا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں جب صیہونی اسرائیل کے قیام کی خاطر امریکا اور برطانیہ میں انتہائی گہری اور خفیہ چالیں چل رہے تھے، تو رابی کک لندن میں مقیم تھا۔ اس نے 1917ء میں اعلان بالفور کروانے میں نمایاں حصہ لیا۔ 1921ء میں وہ فلسطین چلا آیا اور علاقے میں آباد اشکنازی یہود کا پہلا ربی بن گیا۔ وہیں پھر اس نے مرکز ہارووبیشوا کی بنیاد ڈالی تاکہ یہود کی نئی نسل کو صیہونیت اور تالمود کی "تعلیمات" سے روشناس کرایا جا سکے۔

یاد رہے کہ تالمود صدیوں پہلے یہودی علما نے لکھی تھی اور آج کے یہودی اسے بھی توریت کے مانند مقدس سمجھتے ہیں۔ اس میں غیر یہودیوں کو جانور، حیوانوں کے بچے اور نہ جانے کیا کچھ کہا گیا ہے۔ غرض یہ کتاب پڑھنے سے یہودی بچوں میں غیر یہودیوں کے لیے زبردست نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہارووبیشوا کا بیشتر نصاب اسی تالمود پر مشتمل ہے۔ اب تک اس تعلیمی ادارے سے ہزاروں طلبہ نکل چکے ہیں۔ ان میں سے کئی اب انتہا پسند یہودی سیاسی جماعتوں کا حصہ ہیں۔ اب اگر فلسطینیوں نے بدترین ظلم کے جواب میں نفرت اور دہشت گردی کے پرچارک اس تعلیمی ادارے پر حملہ کیا، تو چیخ وپکار کیوں؟

یاد رہے کہ اسرائیلی وزیراعظم یائزک رابن کو قتل کرنے والا یگال امیر مرکز ہارووبیشوا ہی سے پڑھ کر نکلا تھا۔ اس کا کہنا تھا "رابن عربوں کو ہمارہ ارض موعود دینا چاہتا تھا، لہٰذا میں نے اُسے قتل کر ڈالا۔"

گیرٹ وائلڈرز کی ہٹ دھرمی

ڈنمارک کا ضدی، متعصب رہنما اور فریڈم پارٹی کا قائد گیرٹ وائلڈرز وہ بدبخت فلم جاری کرنے پر تلا بیٹھا ہے جس میں قرآن پاک کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ گو ڈنمارک کے تمام ٹیلی ویژن نیٹ ورکوں نے اُسے نشر کرنے سے انکار کر دیا ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ فلم انٹرنیٹ پر جاری کر دی جائے گی۔ گیرٹ کا کہنا ہے "مجھے علم ہے کہ فلم دیکھ کر کئی لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے گی، مگر میں کیا کروں؟ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔"

انسانی جذبات واحساسات سے بےپروا اس جنونی وحشی پر ڈنمارک کی حکومت زور دے رہی ہے کہ قومی مفادات کا خیال کرتے ہوئے یہ فلم جاری نہ کرے، مگر کتے کی دم سیدھی ہی نہیں ہو رہی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کوئی امر گیرٹ کو فلم دکھانے کا انتہائی قدم اٹھانے سے باز رکھتا ہے یا نہیں۔

فرانس میں پہلا نجی اسلامی سکول

فرانسیسی محکمہ تعلیم نے فرانس کے شہر للی میں پہلا نجی اسلامی ہائی سکول کھولنے کی اجازت دے دی ہے۔ یہ اجازت للی کی جامع مسجد کے امام عمار لاسفر کی آٹھ سالہ کوششوں سے ملی ہے۔ اب اس سال کے اواخر سے سکول میں جماعتیں شروع ہوں گی۔ سکول کا نام "ابن رشد ہائی سکول" رکھا گیا ہے۔ ایک منفرد بات یہ ہے کہ سکول میں عیسائی اور یہودی بھی داخلہ لے سکیں گے۔ یوں مدعا یہ ہے کہ سب مذاہب کے طلبہ برداشت اور رواداری کے ماحول میں تعلیم پائیں اور ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔

عراق میں امریکیوں کی اموات

اعداد وشمار کے مطابق مارچ 2003ء سے 7 مارچ 2008ء تک عراق میں 3974 امریکی فوجی مارے جا چکے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ نومبر میں امریکی صدارتی انتخاب سے قبل یہ تعداد چار ہزار سے اوپر جا سکتی ہے، یہ امر حکمران ریپبلکن پارٹی کو نقصان پہنچائے گا جو پہلے ہی امریکی عوام کی شدید تنقید کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔

افغانستان، پاکستان اور ازبکستان میں بھی 2001ء کے اواخر سے 415 امریکی فوجی مارے جا چکے ہیں۔ مزید برآں امریکیوں نے جن علاقوں میں دیگر محاذ جنگ کھول رکھے ہیں، وہاں بھی 63 امریکی فوجی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ شاید نئی امریکی حکومت ہی کوئی سبق حاصل کر کے اپنی فوج کو بیرون ممالک سے واپس بلائے مگر صیہونیوں کے صلیبی ایجنٹوں سے اس کی کم ہی توقع ہے۔

Great Lakes using machine guns mounted on their vessels and revealed that it had created thirty-four permanent live-fire training zones along the Great Lakes from where it had already conducted a number of automatic weapons drills due to fierce opposition, firing three thousand lead bullets each time into the lakes. The Bush administration has temporarily called off these drills but is clearly asserting U.S. authority over what has in the past been considered joint waters.

Similar trouble is brewing on the U.S.-Mexican border, where a private group of U.S.-based water rights holders is using the North American Free Trade Agreement to challenge the long-term practice by Mexican farmers to divert water from the Rio Grande before it reaches the United States.

In an August 2004 briefing note for the Institute for the Analysis of Global Security, a think tank that focuses on the link between energy and security, Dr. Allan R. Hoffman, a senior analyst for the U.S. Department of Energy, declared that the energy security of the United States actually depends on the state of its water resources and warns of a growing water-security crisis worldwide. "Just as energy security became a national priority in the period following the Arab Oil Embargo of 1973-74, water security is destined to become a national and global priority in the decades ahead," says Hoffman. He notes that central to addressing water security issues is finding the energy to extract water from underground aquifers, transport water through pipelines and canals, manage and treat water for reuse and desalinate brackish and sea water - all technologies now being promoted by U.S. government partnerships with American companies. He also points out that the U.S. energy interests in the Middle East could be threatened by water conflicts in the region: "Water conflicts add to the instability of a region on which the U.S. depends heavily for oil. Continuation or inflammation of these conflicts could subject U.S. energy supplies to blackmail again, as occurred in the 1970s." Water shortages and global warning pose a "serious threat" to America's national security, top retired military leaders told the president in an April 2007 report published by the national security think tank cna Corporation. Six retired admirals and five retired generals warned of a future of rampant water wars into which the United States will be dragged.

The mandate of Global Water Futures is twofold: to affect U.S. strategy and policy regarding the global water crisis and to develop the technology necessary to advance the solution. In a September 2005 report, Global Water Futures warned that the global water crisis is driving the world toward "a tipping point in human history," and elaborated on the need for the United States to start taking water security more seriously: "In light of the global trends in water, it is clear that water quality and water management will affect almost every major U.S. strategic priority in every key region of the world.

Blue Covenant: The Alternative Water Future

Humanity still has a chance to head off these scenarios of conflict and war. We could start with a global covenant on water. The Blu Covenant should have thre components: a water conservatio covenant from people and th governments that recognizes right of the Earth and of oth species to clean water, and pledg to protect and conserve the world water supplies; a water justi covenant between those in global North who have water resources and those in the glo South who do not, to work solidarity for water justice, w for all and local control of w and a water democracy cove among all governm acknowledging that water fundamental human right fo Therefore, governments required not only to provide water to their citizens as a service, but they must recognize that citizens of countries have the right to w well and to find peaceful s to water disputes between st The Blue Covenant shou form the heart of a new c on the right to water to be both in nation-state cons and in international law United Nations. To cre conditions for this coven require a concerted and c international collaboration have to tackle all three wa together with the alte Water Conservation, Water and Water Democracy.

(http://www.commondream chive/2008/02/25/7284/)

ol: 17 Regd. No. LRL -50 No. 11
Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

iew Point

by Maude Barlow

The Global Water Crisis and the Coming Battle for the Right to Water

e following is an excerpt of apter 5 in Maude Barlow's latest ok, Blue Covenant.

e Future of Water

e three water crises - dwindling shwater supplies, inequitable ess to water and the corporate ntrol of water - pose the greatest eat of our time to the planet and our survival. Together with pending climate change from sil fuel emissions, the water es impose some life-or-death isions on us all. Unless we lectively change our behavior, are heading toward a world of pening conflict and potential s over the dwindling supplies of hwater - between nations, ween rich and poor, between the lic and the private interest, ween rural and urban ulations, and between the npeting needs of the natural rld and industrialized humans.

ter Is Becoming a Growing rce of Conflict Between ntries

und the world, more that 215 or rivers and 300 groundwater ns and aquifers are shared by or more countries, creating ions over ownership and use of precious waters they contain. wing shortages and unequal ribution of water are causing greements, sometimes violent, becoming a security risk in y regions. Britain's former nse secretary, John Reid, warns oming "water wars." In a public statement on the eve of a 2006 summit on climate change, Reid predicted that violence and political conflict would become more likely as watersheds turn to deserts, glaciers melt and water supplies are poisoned. He went so far as to say that the global water crisis was becoming a global security issue and that Britain's armed forces should be prepared to tackle conflicts, including warfare, over dwindling water sources. "Such changes make the emergence of violent conflict more, rather than less, likely," former British prime minister Tony Blair told The Independent. "The blunt truth is that the lack of water and agricultural land is a significant contributory factor to the tragic conflict we see unfolding in Darfur. We should see this as a warning sign."

The Independent gave several other examples of regions of potential conflict. These include Israel, Jordan and Palestine, who all rely on the Jordan River, which is controlled by Israel; Turkey and Syria, where Turkish plans to build dams on the Euphrates River brought the country to the brink of war with Syria in 1998, and where Syria now accuses Turkey of deliberately meddling with its water supply; China and India, where the Brahmaputra River has caused tension between the two countries in the past, and where China's proposal to divert the river is re-igniting the divisions; Angola, Botswana and Namibia, where disputes over the Okavango water basin that have flared in the past are now threatening to re-ignite as Namibia is proposing to build a threehundred- kilometer pipeline that will drain the delta; Ethiopia and Egypt, where population growth is threatening conflict along the Nile; and Bangladesh and India, where flooding in the Ganges caused by melting glaciers in the Himalayas is wreaking havoc in Bangladesh, leading to a rise in illegal, and unpopular, migration to India.

While not likely to lead to armed conflict, stresses are growing along the U.S.-Canadian border over shared boundary waters. In particular, concerns are growing over the future of the Great Lakes, whose waters are becoming increasingly polluted and whose water tables are being steadily drawn down by the huge buildup of population and industry around the basin. A joint commission set up to oversee these waters was recently bypassed by the governors of the American states bordering the Great Lakes, who passed an amendment to the treaty governing the lakes that allows for water diversions to new communities off the basin on the American side. Canadian protests fell on deaf ears in Washington. In 2006, the U.S. government announced plans to have the U.S. coast guard patrol the